www.mohaddis.com

314

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

ستمبر ۲۰۰۷ء

۲ ہجری تقویم اور مسئلہ رؤیتِ ہلال
۲۹ مسئلہ بیعت؛ شرع کی روشنی میں
۳۳ تراویح اور سعودی علماء

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث
لاہور پاکستان

جلد ۳۹ / شمارہ ۹
رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
ستمبر ۲۰۰۷ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زر سالانہ	۲۰۰/ روپے
فی شمارہ	۲۰/ روپے

بیرون ممالک

زر سالانہ	۲۰/ ڈالر
فی شمارہ	۲/ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☎: 5866476
5866396
5839404

Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

فہرست مضامین

فکر و نظر
ہجری تقویم اور مسئلہ رؤیت ہلال — حافظ حسن مدنی — ۲

کتاب و حکمت
کیا قرآن 'میزان' ہے؟ — محمد رفیق چودھری — ۲۷

فقہ و اجتہاد
مسئلہ تراویح اور سعودی علماء — ڈاکٹر حافظ اسحٰق زاہد — ۳۳

خلافت و امارت
مسئلہ بیعت: شرع کی نظر میں — ڈاکٹر صہیب حسن — ۳۹
بیعت کرنے کا جواز کس کے لئے؟ — حافظ حمزہ مدنی — ۵۳

تعلیم و تعلم
وفاق ہائے مدارس دینیہ کو چند گزارشات — ڈاکٹر محمد امین — ۷۳

✿ ملی مجلس شرعی کا قیام — ۷۷

✿ الشریعۃ کے رئیس التحریر کے نام مراسلہ — حافظ بدرالدین — ۷۹

Islamic Research Council

محدث کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

ہجری تقویم اور مسئلہ رؤیتِ ہلال

یوں تو تقویم (کیلنڈر) اور رؤیتِ ہلال ایک مستقل نوعیت کا عالمی اور ملی موضوع ہے لیکن رمضان المبارک کے موقع پر یہ مسئلہ مسلم معاشروں اور غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کے لئے بڑی اہمیت اختیار کرجاتا ہے۔ اخبارات ورسائل میں اس پر مضامین لکھے جاتے ہیں اور بالفرض کہیں اختلافِ رائے ہوجائے تو پھر اس واقعہ کو مثال بنا کر ہجری تقویم اور اسلام کو خوب نشانہ بنایا جاتا ہے۔

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ایک بار پھر اپنی تمام رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ مسلم اُمہ پر سایہ فگن ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ماہِ فضیل سے اُمت کو پوری طرح فیض یاب ہونے کی توفیق دے۔ ذیل میں اسلامی تقویم اور رؤیتِ ہلال کے حوالہ سے عام طور پر اُٹھائے جانے والے سوالات، اعتراضات اور تصورات کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے:

❶ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ پوری مسلم اُمہ ایک ہی دن عید اور اپنے قومی تہوار کیوں نہیں مناتی، اُن کی مقدس عبادات دنیا بھر میں اکٹھی کیوں نہیں ہوتیں.....؟

یہ شبہ ایک مخصوص طرزِ فکر کا نتیجہ ہے جبکہ فی الواقع ایسا نہیں کیونکہ پوری اُمتِ مسلمہ عیدین اور رمضان وحج ایک ہی دن ادا کرتی ہے، دنیا بھر میں عید الفطر یکم شوال کو ہی منائی جاتی ہے۔ جس جگہ عید منائی جائے گی اور جہاں بھی پہلا روزہ رکھا جائے گا، وہاں بالترتیب یکم شوال اور یکم رمضان المبارک ہی ہوں گے۔ یہ شبہ دراصل عیسوی تقویم کو برتری دینے اور اس کو میزان قرار دینے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے جس کو غیر مسلم ہی زیادہ اُجاگر کرتے ہیں۔ کیونکہ عیسوی تقویم کی رو سے بعض جگہ یکم دسمبر کو پہلا روزہ ہوتا ہے تو دوسرے مقام پر دو دسمبر کو پہلا روزہ ہوتا ہے جبکہ حقیقی، فطری اور الٰہی تقویم کے مطابق ہر دو مقام پر روزہ یکم رمضان کو ہی ہوتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ایک مستند، فطری اور الٰہی تقویم کو انسانوں کے خود ساختہ اُصولوں پر مبنی تاریخوں سے پرکھنا کہاں کا انصاف ہے؟

یہ اعتراض کیوں نہیں کیا جاتا کہ کرسمس کو ایک ہی تاریخ پر منانا چاہئے جیسا کہ اس سال کرسمس کا دن بعض ممالک میں ۱۴ ذوالحجہ کو منایا جائے گا تو بعض میں ۱۵ ذوالحجہ کو۔ ظاہر ہے جس طرح یہ اعتراض درست نہیں، اس طرح ہجری تقویم پر اعتراض کرنا بھی درست نہیں!!

یوں بھی یہ تقاضا عملاً درست نہیں بلکہ ناممکن ہے کیونکہ روز وشب کی تبدیلی کے پس پردہ محرک قدرتی عوامل یعنی زمین، سورج اور چاند وغیرہ کی حرکت کا نتیجہ دنیا بھر میں یکساں سامنے نہیں آتا۔ دنیا بھر میں نہ تو ایک ہی وقت پر دن طلوع ہوتا ہے اور نہ ہی رات چھاتی ہے۔ یہ بات بچے بچے کو معلوم ہے کہ دنیا کے ہر خطے کا وقت باقی دنیا سے مختلف ہے، یہی صورتحال تاریخوں کے بارے میں بھی ہے کہ پوری دنیا میں ایک ہی روز چاند کی رؤیت بھی ناممکن ہے۔

ایسا تقاضا کرنے والے لوگ اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے معمولات اور تہوار ایک ہی وقت پر شروع کرتے ہیں جبکہ اس تصور کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ ایسا ہونا عملاً ناممکن ہے۔ البتہ انسان اپنے خودساختہ اُصولوں کے ذریعے مصنوعی اشتراک ضرور پیدا کرلیتا ہے جو ظاہراً تو ہوتا ہے، حقیقتاً نہیں۔ چنانچہ واضح رہنا چاہئے کہ نہ تو وہ تاریخیں کوئی زمینی حقیقت رکھتی ہیں اور نہ ہی وہ یومیہ اوقات (ٹائم) جنہیں انسانوں نے وضع کرکے اشتراک کا مصنوعی تصور قائم کررکھا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں کو مختلف اوقات میں بانٹا گیا ہے جنہیں سٹینڈرڈ ٹائم (GMT) کہا جاتا ہے، اور یہ اوقات حقیقی نہیں بلکہ انسانوں کے خودساختہ ہیں۔ رئیل ٹائم اور سٹینڈرڈ ٹائم میں بڑا فرق ہے جس میں لندن کے ایک علاقے گرینچ Greenwich کو مرکز قرار دے کر، دنیا کے مختلف ممالک کی سرحدوں یا زمینی حدود میں وقت کو بانٹ کر وہاں ایک مصنوعی وقت کا فرضی معیار قائم کردیا گیا ہے۔ اسکی سادہ مثال یہ ہے کہ لاہور اور امرتسر میں زمینی فاصلہ تو سوکلومیٹر کے لگ بھگ ہے لیکن دونوں کے سٹینڈرڈ ٹائم میں نصف گھنٹے کا فرق ہے جبکہ لاہور اور کراچی میں ۱۲۰۰ کلومیٹر کا فاصلہ ہے لیکن دونوں کا سٹینڈرڈ ٹائم ایک ہی ہے۔ یہی صورتحال تاریخوں کے بارے میں بھی ہے کہ 'بین الاقوامی خطِ تاریخ' International Date Line پر پہنچ کر

www.KitaboSunnat.com

مصنوعی طور پر لازماً عیسوی تاریخ کو تبدیل کرلیا جاتا ہے تاکہ تاریخوں میں مصنوعی اشتراک برقرار رہ سکے۔☆

اس بنا پر جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے تہوار ایک دن شروع نہیں ہوتے، ان کے تہوار بھی دنیا بھر میں ایک وقت اور ایک دن میں منعقد نہیں ہو پاتے۔ دنیا بھر میں کسی تقریب کو مشترکہ طور پر دن کے ۱۰ بجے تو شروع کیا جاسکتا ہے لیکن کیا دنیا میں ایک ہی وقت پر ۱۰ بج جاتے ہیں، ظاہر ہے ایسا نہیں۔ اسی طرح چونکہ عیسوی تقویم میں تاریخیں خود ساختہ ہیں، اس لئے ان تاریخوں کو بھی مصنوعی طور پر ایک قرار دیا جاتا ہے، جبکہ درحقیقت دنیا بھر میں ایک ہی تاریخ تو کجا، دن اور رات کا ایک وقت پر شروع یا ختم ہونا ہی سرے سے ممکن نہیں!

اسلام جس حقیقی اور فطری تقویم کا داعی ہے، انہی فطری اُصولوں کے پیش نظر یہاں اُصولاً یہ امر ناممکن ہے کہ تمام دنیا ایک ہی وقت اور دن میں کوئی تہوار منعقد کر سکے۔ مثلاً ہجری تقویم کے مطابق نئے ماہ کا آغاز مغرب کے بعد رؤیتِ ہلال سے ہوتا ہے۔ جس وقت دنیا کے ایک خطے (لاہور) میں چاند نظر آتا ہے یعنی مغرب کے وقت تو اسی وقت دنیا کے ایک دوسرے خطے (شہر میکسیکو) میں صبح کے ۹ بج رہے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اگر چاند نظر آنے کی اطلاع بھی دے دی جائے تو صبح کے ۹ بجے عید کی نماز کا مستحب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی مقام پر صبح نو بجے نہ تو روزہ کا آغاز کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بلا عذر عید کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اس لئے زمینی حقائق کی بنا پر دنیا بھر میں ایک ہی دن روزہ رکھنا ممکن ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک جگہ رمضان کی ابتدا جمعہ کی شام سے اور دوسری جگہ ہفتہ کی صبح

☆ ۱۸۸۲ء میں واشنگٹن میں منعقدہ ایک کانفرنس میں ۲۵/اقوام نے لندن کے علاقے 'گرینچ' کو دنیا کا مرکز وقت مان کر اس مقام کو مشرق ومغرب کے لئے حدِ فاصل قرار دیا تھا۔ اس بنا پر طول بلد وعرض بلد مقرر کئے گئے اور اس قصبے کے نصف النہار یعنی ۱۲ بجے کے وقت کو بنیادی معیار تسلیم کیا گیا۔ گرینچ کے بالمقابل زمین کی بالکل دوسری سمت کھینچے جانیوالے فرضی خط کو 'خطِ تاریخ' قرار دیا گیا، یعنی یہ رات کے ۱۲ بجے کا معیاری وقت قرار پایا۔ چنانچہ اس خط کو جو بھی دن کے کسی حصے میں بھی عبور کرے تو وہ فرضی طور پر تاریخ میں تبدیلی کرلیتا ہے اس طرح عیسوی کیلنڈر میں مصنوعی طور پر اوقات کی تقسیم کے علاوہ تاریخ کا مصنوعی اشتراک بھی پیدا کیا گیا ہے۔ قمری کیلنڈر میں بعض ممالک میں دو روز کا فرق پڑنے کی ایک وجہ یہ مصنوعی اُصولِ تاریخ بھی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس بے جا تکلف کو نظر انداز کر کے زمینی حقائق اور اُصولِ فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے مصنوعی اشتراک قائم کرنے کی بجائے حقیقی تاریخ کا اشتراک برقرار رکھا ہے اور وہ یہ کہ جن عوامل کی بنا پر رات دن میں تبدیلی ہوتی ہے، تاریخ کی تبدیلی کو بھی اُنہی پر منحصر سمجھا جائے اور ہر دن کو وہی تاریخ دی جائے جو اس کی حقیقی اور فطری تاریخ ہے۔

دوسرے لفظوں میں یکم رمضان المبارک کو ہی دنیا بھر میں پہلا روزہ ہوتا ہے اور جہاں پہلے روزہ کا چاند نظر آجائے، وہاں رمضان کا آغاز سمجھ لیا جائے۔ عیسوی تقویم کو بلاوجہ ہجری تقویم پر برتر سمجھتے ہوئے اس کی خودساختہ تاریخ میں اشتراک پر اصرار کرنا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا!!

❷ شبہ: عیسوی تقویم مستند اور قابل عمل ہے، اس میں بظاہر کوئی خرابی اور پیچیدگی نظر نہیں آتی۔ مسلمان اس کو کیوں اختیار نہیں کر لیتے، کیوں بلاوجہ ہجری تقویم پر اصرار کرتے ہیں جس کی بنا پر اختلافات رونما ہوتے ہیں؟

مسلمان اللہ کو ماننے والے اور شریعتِ محمدیہؐ کے پیروکار ہیں۔ اللہ جو کائنات کا خالق و مالک ہے، اس نے دنیا کو چلانے کے لئے جو اُصول مقرر کر دیے ہیں، ان کو نظر انداز کر دینا جہاں از روئے ایمان درست نہیں، وہاں یہ نظامِ فطرت سے بھی کھلی بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دن کے داخلی اوقات کا حساب سورج پر اور تاریخوں اور مہینوں کا حساب چاند پر منحصر رکھا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

''یہ آپ سے 'نئے چاندوں' کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ بتا دیجئے کہ نئے چاند لوگوں کے لئے مدت کے شمار اور حج کے ایام معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں۔'' (البقرۃ:۱۸۹)

ایک اور مقام پر اسی بات کو قرآنِ کریم میں اللہ نے اپنی نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (یونس:۵)

''اللہ تو وہ ذات ہے جس نے سورج کو تیز روشنی والا اور چاند کو نور بنایا۔ اور اس نے چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم اس سے سالوں اور روزمرہ کا حساب لگاؤ۔ اللہ نے یہ چیزیں بے کار ہی پیدا نہیں کر دیں۔ وہ اپنی نشانیاں عقل مندوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک سورج کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دن کے اوقات کے لئے معیار اور پیمانہ بنایا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں نمازوں کے اوقات کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورج کو معیار مقرر فرمایا اور نمازِ فجر، نمازِ عید، اشراق، ظہر، عصر اور مغرب وعشا کے اوقات کو سورج سے ہی مربوط کیا گیا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾

''سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجئے۔ اور فجر کے وقت قرآن کی تلاوت کریں۔'' (بنی اسرائیل:۷۸)

ایسے ہی نمازوں کے اوقات کو سائے سے منسلک کرنے کا تذکرہ کئی احادیثِ نبویہ میں موجود ہے۔ روزہ کی سحری اور افطاری بھی چونکہ ایک روزمرہ معاملہ ہے، اس لئے اس کو بھی سورج کے طلوع وغروب سے ہی منسلک کیا گیا ہے۔ چنانچہ عیسوی تقویم جس میں تاریخ کی تبدیلی کا انحصار سورج پر ہے، نظامِ فطرت سے تجاوز اور اللہ سے بغاوت ہے کیونکہ اللہ نے سورج کو اس مقصد کے لئے پیدا ہی نہیں کیا۔ انسانوں نے سورج کو اس بنا پر یہ حیثیت دی ہے کہ موسموں کی مناسبت سے پیدا ہونے والے فوائد ونقصانات پر اپنے معمولات کو ترتیب دیا جاسکے۔

البتہ ماضی میں تمام اَقوام کے ہاں چاند کو ہی تاریخ میں بنیادی حیثیت دی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف زبانوں میں مہینہ کا نام چاند سے ہی ماخوذ ہے مثلاً انگریزی میں Month، مون سے، فارسی میں مہینہ، ماہ سے اور ہندی میں ماس، اَماوس سے نکلا ہوا ہے۔ آج بھی غیر مسلم اقوام کے کئی تہوار شمسی تاریخوں کی بجائے چاند کی تاریخوں پر ہی منحصر ہیں مثلاً عیسائیوں کے ہاں ایسٹر، یہودیوں کے ہاں عاشور اور ہندوؤں کے ہاں دیپاولی کے تہوار چاند کی تاریخوں کی بنا پر ہوتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ چاند ہی تقویم کا اصل مرکز رہا ہے۔

آج کل چونکہ لوگوں کا نظامِ فطرت کا مشاہدہ بڑا کمزور ہوچکا ہے، اس لئے اس بات کی نشاندہی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ چاند اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین کی پیشانی پر روزانہ کا ایک نمایاں کیلنڈر ہے جس کے ذریعے مہینے کی ہر تاریخ کا بخوبی علم ہوجاتا ہے۔ چاند کی اٹھائیس منزلیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ہر تاریخ کا کھلا اعلان ہیں۔ پہلے ۱۴ روز میں چاند کا

www.KitaboSunnat.com

تدریجاً مکمل ہونا اور اگلے چودہ روز میں تدریجاً چاند کا گھٹنا ایک ایک تاریخ کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر شام چاند کا نئے مقام پر طلوع ہونا بھی اس کی تاریخ معلوم کرنے میں مددگار ٹھہرتا ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں کوئی انسان تبدیلی نہیں کرسکتا، اور جو کسی نگہداشت کا محتاج نہیں ہے۔ دوسری طرف انسانوں کا خودساختہ عیسوی کیلنڈر ہے جس کو تمام تر تحفظ صرف ایک تسلسل اور ریگولیٹری اتھارٹی نے دے رکھا ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی انسان کا یہ تسلسل منقطع ہوجائے مثلاً وہ کسی جزیرے میں جا پہنچے جہاں ذرائع مواصلات وعلم اس کو آگاہ نہ کرسکیں تو وہ تاریخ کا اِدراک کبھی نہیں کرسکتا جبکہ اللہ کے بنائے ہوئے نظام کا ہر رات چاند کے مشاہدے سے ہی علم حاصل ہوجاتا ہے۔ اگر کہیں پہلی تاریخ کے تعین میں کوئی غلطی بھی ہوجائے تو ۱۴، ۱۵ تاریخ کا روشن چاند اس کی اصلاح کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

چاند کا یہ نظام ان قطبی علاقوں میں بھی کارآمد ہے، جہاں سورج چھ چھ ماہ طلوع یا غروب ہی نہیں ہوتا، کیونکہ ان علاقوں میں سورج کے برعکس چاند باقاعدگی سے نظر آتا رہتا ہے۔ سمندروں کے مدوجزر بھی اسی چاند کی تاریخوں سے منسلک ہیں جس سے انسانوں کے سفر اور تجارت کے اُمور کا گہرا تعلق ہے۔ خواتین کے ایام بھی اس سے ایک اِرتباط رکھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر چاند کی بنا پر تاریخوں کو سمجھنے سے ہر قسم کے موسم میں اسلامی عبادات بجالانا ممکن ٹھہرتا ہے۔ نہ تو رمضان یا حج کا موسم ہمیشہ سردیوں میں آئے اور نہ ہی ہمیشہ گرمیوں میں!

ماضی میں کیلنڈر بادشاہ یا مذہبی رہنما جاری کیا کرتے تھے اور وہ اپنی پسند کے مطابق اس میں تبدیلیاں کرتے رہتے۔ یہی صورتحال عیسوی کیلنڈر کی بھی ہے جو کئی تبدیلیوں کا نشانہ بنتا رہا۔ عیسوی تقویم جس پوپ گریگوری کے نام سے منسوب ہے، اُس نے ماضی کی متعدد غلطیوں کی اصلاح کے لئے ۱۵۸۲ء میں اس سے ۱۳ دن کم کردیے، پھر پوپ بینڈکٹ چہارم نے ۱۷۵۲ء میں مزید ۱۱ دن کم کیا۔ آئندہ بھی ہر ۱۲۸ سال بعد اس کیلنڈر سے ایک دن کو مصنوعی طور پر کم کرنے کی ضرورت برقرار رہتی ہے۔ جبکہ اسلامی تقویم میں یہ اختیار کسی انسان کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے اس کی تاریخوں کا ازخود تعین ہوتا رہتا ہے۔ اگر کہیں انسان غلطی بھی کرجائیں تو اگلے ماہ کا چاند ازخود اس کی اصلاح کردیتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی رو سے دنوں اور تاریخوں کو خود ساختہ تقسیم اور ترتیب دینا (لیپ یا کبیسہ نسی کا عمل) جائز نہیں کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرماتے ہوئے اسے 'کفر' قرار دیا ہے:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ﴾ (التوبہ:۳۷)

''مہینوں میں کمی بیشی کرنا کفر میں ایسا آگے بڑھ جانا ہے جس سے کافر لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں۔ایک سال ایک ماہ کو وہ حرمت والا بنا لیتے ہیں اور دوسرے سال اس کو حلت عطا کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کی عطا کردہ حرمتوں کو پامال کرتے ہوئے اللہ کی حرام کردہ شے کو وہ حلال قرار دے لیں۔ اِن کے لئے برے اعمال بڑے ہی خوبصورت بنا دیے گئے ہیں!!''

عرب میں بھی یہ رسم پائی جاتی تھی کہ وہ مہینوں اور تاریخوں میں از خود اپنے مفادات مثلاً آسان موسم میں حج کے لئے کمی بیشی کر دیا کرتے تھے، عرب میں قَلْمَس نامی ایک شخص ہر سال حج کے اجتماع میں آئندہ حج کی تاریخوں کا اعلان کیا کرتا تھا، بعد میں اس کی اولاد یہی کام کرتی رہی جو قلامسہ کہلائے، اس سے ایک مستقل کیلنڈر وجود میں آیا جو مکی کیلنڈر کہلاتا تھا کیونکہ وہ مکہ مکرمہ سے باہر رواج نہ پا سکا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود اس رسم بد کا خاتمہ کرتے ہوئے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک تاریخ کا تعین فرماتے ہوئے قرار دیا:

«إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض . السَّنَةُ اثنا عشر شهرًا منها أربعة حرم... ذوالقعدة ذو الحجة»..... الخ (صحیح بخاری:۴۶۶۲)

''آج زمانہ اپنی اس اصل ہیئت پر لوٹ آیا ہے جس پر اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا تھا۔سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب''

تاریخوں اور مہینوں کی یہ غیر معمولی اہمیت کیوں ہے کہ ان میں تبدیلی کرنا انتہائی ناپسندیدہ بلکہ ممنوع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے بعض مخصوص برکات کو بعض مخصوص تاریخوں کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ جو فضیلت روزِ جمعہ یا یومِ عرفہ کی ہے، وہ دیگر ایام کو حاصل نہیں۔ ایسے ہی رمضان کے مہینے کو جو تقدس اللہ نے عطا کیا ہے، وہ تقدس اس کے سوا دیگر ایام کو نہیں مل سکتا۔ شبِ قدر کی شریعتِ اسلامیہ میں جو غیر معمولی اہمیت اور فضیلت بیان ہوئی ہے، اگر

www.KitaboSunnat.com

رمضان کی ایک تاریخ کو بھی اپنی مرضی سے تبدیل کر دیا جائے تو اس سے آخری تمام عشرہ کی طاق راتیں اپنے اصل مقام سے ہٹ جائیں گی۔ اور طاق راتوں میں عبادت نہ کرنے کا نتیجہ اس رات کی فضیلت سے محرومی کے سوا اور کیا ہوگا؟ اس لئے مختلف ایام سے منسوب مختلف فضائل و برکات کو پانے کے لئے عین انہی ایام کو اُن کے اصل وقت پر حاصل کرنا اور انہیں تلاش کرنا ہی ضروری ٹھہرتا ہے۔

ایسے ہی اسلام میں دنوں کی تعداد کو بھی قمری مہینوں پر ہی منحصر کیا گیا ہے چنانچہ عدت کے ایام، زکوٰۃ کا سال اور ایامِ رضاعت وغیرہ میں ہجری مہینوں کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

❸ شبہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہجری نظام قابل عمل نہیں، اس سے ماہِ رمضان کے تعین میں اس قدر دشواری پیش آتی ہے تو پورا سال کس طرح اس پر انحصار کیا جاسکتا ہے؟

کسی بھی نظام کے قابل عمل ہونے کا فیصلہ اس کو جاری کرنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر عملی طور پر ایک نظام جاری وساری ہو اور اس میں کہیں کہیں دوسرے نظام کے پیوند لگائے جائیں تو وہ عملی پیچیدگیوں کے علاوہ کسی بھی انسان پر خوش کن تاثر نہیں چھوڑے گا۔ ہجری تقویم ہی وہ اصل نظامِ تاریخ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے وضع کر کے اُنہیں اس کا پابند کیا ہے، اور اللہ کے دیے نظام میں کوئی خرابی ہونا ممکن نہیں۔ اگر اس میں کسی مقام پر کوئی خرابی ہے تو یہ سب ہماری کوتاہی یا بدتدبیری کا کیا دھرا ہے.....!

اسلامی مہینوں پر انحصار تو دورِ نبوتؐ سے جاری ہے، جسے حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کے اجماع کے بعد سالِ ہجرت سے سالوں میں بھی شمار کرنے کا اقدام کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے ۱۳ صدیاں، جب تک مسلمان سیاسی مغلوبیت سے دوچار نہیں ہوئے، اس وقت تک یہ نظام بخیر وخوبی مسلمانوں کی تمام ضروریات کو پورا کرتا رہا۔ آج بھی مسلم ہند میں اسلامی حکومت کے اقدامات کا تذکرہ ہجری تقویم کے مطابق ہی تاریخ کے اَوراق میں محفوظ ملتا ہے۔

عیسوی تقویم دراصل مغربی استعمار کا شاخسانہ ہے۔ ۱۹۲۶ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک نے استبدادی حکم کے ذریعے عین اس طرح ہجری تقویم کو کالعدم قرار دیا تھا، جس طرح اس نے ترکی کو عربی رسم الخط میں لکھنے، ہیٹ کو لازمی کرنے اور عربی میں اذان کو ممنوع ٹھہرایا تھا، تاکہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کا اپنے سنہرے ماضی اور روایات و اَسلاف سے تعلق منقطع ہوجائے۔ آج عالم اسلام کا اکثر وبیشتر حصہ مغربی معاشرت کے اُصولوں پر قائم ہے۔ ان حالات میں واحد اسلامی ریاست سعودی عرب میں ہجری تقویم زیرعمل ہے۔ یہی وہ واحد ریاست ہے جہاں اسلام کا عدالتی، معاشرتی اور تعلیمی نظام بھی اکثر وبیشتر اسلامی خطوط پر استوار ہے۔ سعودی عرب میں ہجری تقویم نے کوئی عملی مسئلہ پیدا نہیں کیا اور اس سے ان کے روزمرہ معمولات میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔ (سعودی عرب میں جاری تقویم کے سلسلے میں مزید تفصیل آگے ملاحظہ کریں)

❹ سوال: کیا تقویم کی کوئی متبادل اساس ہوسکتی ہے؟

تقویم کے سلسلے میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ تاریخوں اور مہینوں کو اُصولِ فطرت پر منحصر ہونا چاہئے یا اس کی کوئی متبادل اساس مثلاً کسی شاہ کا حکم، کسی پارلیمنٹ کا فیصلہ، کسی مذہبی رہنما کی ہدایت یا کسی خودساختہ نظام کا تسلسل بھی ہوسکتا ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی شریعت کا موقف یہ ہے کہ زمانہ اللہ سے منسوب ہے، روز وشب کا مالک وہی ذاتِ یکتا ہے، ان ایام سے مخصوص برکات وفضائل کو اُسی نے وابستہ کیا ہے، اس لئے تاریخوں اور مہینوں کا تعین اس کے پیدا کردہ نظامِ فطرت پر ہی منحصر ہونا چاہئے۔ یہ نظامِ فطرت زمین کے جس حصے میں جس دن کو جس تاریخ سے منسوب قرار دے، اسی کو تسلیم کیا جانا چاہئے۔

جہاں تک یہ سوال ہے کہ اس نظامِ فطرت میں تغیر وتبدل رونما ہونے سے انسان کے مستقبل کی منصوبہ بندی متاثر ہوتی ہے، اس بنا پر ایک متبادل نظام وضع کرنا ضروری ہے تو یہ کوئی مناسب حل نہیں۔ اوّل تو قرآنِ کریم کی آیات کی رو سے سورج اور چاند ایک مقررہ اندازے کے مطابق چل رہے ہیں اور وہ اس سے سرمو اِنحراف نہیں کرتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مقررہ نظام کو سمجھنے اور اس تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ (الرحمٰن:۵)

''سورج اور چاند ایک مقررہ اندازے کے مطابق چل رہے ہیں۔''

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾

www.KitaboSunnat.com

''ہم نے چاند کی منازل مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ باریک ٹہنی کی مانند ہوجاتا ہے۔ نہ تو سورج کی یہ ہمت ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے سبقت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے مدار میں تیر رہی ہے۔'' (یٰسٓ:۳۹)

ان آیات سے بخوبی علم ہوتا ہے کہ جس طرح سورج کا ایک واضح نظام مقرر ہے، عین اسی طرح چاند کا بھی ایک واضح نظام موجود ہے۔ سورج اور چاند کے بارے میں سائنسی تحقیقات کافی ترقی کرچکی ہیں اور برطانیہ کے ایک قصبے گرینیچ میں اس حوالے سے باقاعدہ مراکز تحقیق موجود ہیں جہاں سے سورج اور سائنس کی معیاری تفصیلات حاصل ہوتی ہیں۔

جس طرح سورج کے بارے میں ایک نظام وضع کرلیا گیا ہے، گو کہ وہ مصنوعی ہے اور دینی ادارے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر ملک کے سٹینڈرڈ ٹائم پر نمازوں کے اوقات کی اضافی ہدایات والے چارٹ شائع کرتے ہیں، کیونکہ نمازوں کے اوقات حقیقی وقت پر ہی منحصر ہوتے ہیں؛ اسی طرح اس امر کی ضرورت ہے کہ چاند کے بارے میں بھی ایسی ہی تحقیقات مکمل کی جائیں۔ دراصل چاند کے بارے میں ہونے والی تحقیق اور اسلام کے تقاضوں میں ہم آہنگی اور امتزاج پیدا نہیں کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ سائنس دان قمری مہینے کی جو تفصیل پیش کرتے ہیں، وہ اسلامی اُصولوں سے میل نہیں کھاتی۔ مثال کے طور پر اسلام کا تقاضا رؤیتِ ہلال کا ہے جو مختلف علاقوں میں مختلف ہوتا ہے۔ جبکہ سائنس رؤیتِ ہلال کی بجائے چاند کی پیدائش کے حساب کو پیش نظر رکھتی ہے۔ چاند کی پیدائش اور اس کی رؤیت میں ۳۰ سے لے کر ۹۶ گھنٹوں تک فرق ہوتا ہے جس کی بنا پر نتائج مختلف ہوجاتے ہیں۔ یعنی چاند اپنی پیدائش (جسے اجتماعِ نیرین، قِران، عربی میں محاق اور انگریزی میں Conjunction کہا جاتا ہے) کے کم از کم ۳۰ گھنٹوں تک قابل رؤیت نہیں ہوتا جب تک چاند اور سورج کے درمیان ۱۵ درجے کا زاویہ نہیں بن جاتا۔ المختصر سائنس کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور اس سے شریعت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

آسان الفاظ میں سائنس دانوں کے ہاں ہر قمری مہینہ ۲۹ دن، بارہ گھنٹے اور ۴۴ منٹ کا ہوتا ہے، اور تمام مہینے برابر ہوتے ہیں جبکہ اسلام کی رو سے قمری ماہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے تو کبھی ۳۰ دن کا۔ یہ سائنسی ضابطہ سیدھا سیدھا اسلام کے خلاف ہے۔ یعنی سائنس دانوں نے

www.KitaboSunnat.com

قمری ماہ کو عملی مسئلہ کی بجائے اسے ایک سائنسی پیمائش بنا دیا ہے، جبکہ اسلام نے اسے ایک سادہ روزمرہ حقیقت بنایا ہے جس سے جاہل شخص بھی چاند کو دیکھ کر ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

جب تک اس سلسلے کی ضروری تحقیقات پوری نہیں ہو جاتیں، حائل رکاوٹیں ختم ہوکر ایک منضبط معاون نظام حاصل نہیں ہوجاتا، اس وقت تک مسلمان عیسوی تقویم کے بجائے اس نظام کو اختیار کرسکتے ہیں جو سعودی عرب میں رائج ہے۔ سعودی عرب میں ہجری تقویم کے ہی دو ماڈل بیک وقت زیر استعمال ہیں۔ ایک حقیقی جو رؤیتِ ہلال پر منحصر ہے اور اس کی بنا پر عبادات اور رمضان وعیدین وغیرہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جبکہ ملکی معاملات کو چلانے کے لئے ہجری تقویم کا متوقع قمری کیلنڈر (تقویم اُمّ القری) جدید سائنسی تحقیقی اداروں سے حاصل کرلیا جاتا ہے، اوران مطبوعہ تاریخوں پر پورے ملک کا نظام جاری وساری رہتا ہے۔☆

مجھے اس امر کا ذاتی طور پر گذشتہ سال سعودی عرب کے سفر کے دوران رمضان المبارک میں تجربہ ہوا۔ جب ۲۸ رمضان کو ریاض سے لاہور واپسی کے لئے میں ریاض ائیرپورٹ پہنچا۔ اس سال سعودی عرب میں رمضان متوقع اندازے اور مطبوعہ کیلنڈر سے ایک دن بعد شروع ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے ملک سے خروج کا اِندراج کرنے والے اہلکار کو حقیقت کے مطابق ۲۸ رمضان کی تاریخ بتائی، لیکن اُس نے کہا کہ وہ پاسپورٹ پر ۲۷ رمضان ہی درج کرے گا، کیونکہ سعودی نظام مطبوعہ کیلنڈر کے مطابق چلتا ہے جس کی سال کے آخر میں حقیقی تواریخ کے مطابق اصلاح بھی کرلی جاتی ہے۔ یہ وہ درمیانی طریقہ ہے جس کے ذریعے اسلامی تقاضوں کے مطابق سائنسی تحقیقات حتمی ہوجانے تک، ہجری تقویم کے اس مسئلے کا بھی قابل عمل حل نکالا جاسکتا ہے۔ اوراسی صورتحال سے ہمارے بعض مہربانوں کو سعودی حکومت کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ وہ رؤیت کی بجائے سائنسی نظام پر اعتماد کرتے ہیں۔ جبکہ درحقیقت ایسا نہیں بلکہ ان کے ہاں ہجری تقویم کا ہی دوہرا نظام موجود ہے۔ اورعیدین و

☆ سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں 'کنگ عبدالعزیز سٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی' KACST قائم ہے جس میں علومِ فلکیات کے لئے ایک مستقل 'ریسرچ انسٹیٹیوٹ' قائم ہے۔ یہی ریسرچ انسٹیٹیوٹ مکہ کی اسلامی یونیورسٹی جامعہ اُمّ القری کو تقویم کے لئے جملہ تکنیکی معلومات بھی فراہم کرتا ہے۔ تقویم اُمّ القری KACST کی ویب سائٹ www.ceri.kacst.edu.sa سے ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

عبادات رؤیتِ ہلال کے شرعی تقاضوں کے عین مطابق شروع کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں بھی رمضان المبارک یا عید کا اعلان بعض اوقات رات گئے ہوتا ہے۔ جبکہ مستقبل کے سرکاری معمولات کو متوقع ہجری کیلنڈر کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ اگر وہ رؤیت کی بجائے نظام پر انحصار کرتے ہوں تو نہ تو اعلان کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی تاخیر کا کوئی مطلب۔ اس امر کی سعودی عرب میں رہنے والے ہر شخص کے روزہ مرہ مشاہدے☆ سے بآسانی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ گویا اس طریقے سے شرعی تقاضوں، نظامِ فطرت ہر دو کے قریب

☆ گذشتہ سال ۲۱ ستمبر ۲۰۰۶ء بمطابق ۲۸ شعبان ۱۴۲۷ھ کو سعودی اخبار 'الریاض' میں شائع شدہ اعلان سے سعودی عرب میں مروّج پورا طریقہ رؤیتِ ہلال واضح ہوجاتا ہے:

سرخی: سعودی سپریم جوڈیشل کونسل کا لوگوں سے ہلالِ رمضان دیکھنے کا مطالبہ

فإن مجلس القضاء الأعلى في المملكة يرغب من عموم المسلمين في هذه البلاد تحري رؤية هلال رمضان المبارك مساء يوم الخميس الموافق ٢٨/ ٨/ ١٤٢٧هـ وليلة الجمعة الموافق٢٩/ ٨/ ١٤٢٧هـ حسب تقويم أمّ القرٰى، فإن لم ير فليلة السبت الموافق ٣٠/ ٨/ ١٤٢٧هـ. ويرجو المجلس ممن يراه إبلاغ أقرب محكمة إليه وتسجيل شهادتها لديها أو إبلاغ الجهة التابعة لإمارة المنطقة في بلده إذا لم يكن في البلد قاض لتسهل له مهمة الوصول لأقرب محكمة كما يرجو المجلس الاهتمام بترائي الهلال والاحتساب في ذلك.

''مملکتِ سعودی عرب کی سپریم جوڈیشل کونسل سعودی سرزمین کے جملہ مسلمانوں کو تقویم اُمّ القریٰ کے مطابق جمعرات ۲۸ شعبان اور جمعہ ۲۹ شعبان کی شام رمضان المبارک کا ہلال دیکھنے کی رغبت دلاتی ہے۔ اگر ان راتوں کو ہلال نظر نہ آئے تو ۳۰ شعبان کی رات ہلال دیکھنے کی اپیل کرتی ہے۔ کونسل یہ بھی اُمید کرتی ہے کہ جو بھی ہلال دیکھ لے تو قریب ترین عدالت میں اس کی اطلاع پہنچائے اور وہاں اپنی شہادت ریکارڈ کرائے۔ اگر اس کے علاقے میں شرعی قاضی موجود نہیں تو پھر اس منطقہ کی زیرنگرانی اس مقصد کے لئے قائم نظم میں اطلاع دے تاکہ وہ نظم اسے قریب ترین عدالت تک پہنچاسکے۔ مزید برآں کونسل لوگوں سے خصوصی اہتمام کے ساتھ ہلال دیکھنے اور اس سلسلے میں اللہ سے اجروثواب کی توقع رکھنے کا اظہار کرتی ہے۔''

اس اعلان میں سائنسی ہجری کیلنڈر کے مطابق تو ۲۸ اور ۲۹ شعبان کی شام ہلال دیکھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سائنسی کیلنڈر پر کلی اعتماد ہو تو پھر ہلال دیکھنے کی ضرورت کیسی، نہ ہی لوگوں سے مطالبہ کرنے کوئی مطلب، پھر ان تواریخ پر اگر اعتماد ہو تو ۳۰ شعبان کی شام ہلال دیکھنا چہ معنی دارد؟

www.KitaboSunnat.com

تر رہا جاسکتا ہے اور اپنے معمولات کی بھی اچھی منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے۔

۵ اعتراض: اس سلسلے میں سائنس پر انحصار کرنے میں کیا قباحت ہے؟

اس کی ایک وجہ تو اوپر گزر چکی ہے کہ سائنسی ضابطوں کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے، سائنس دان رؤیت ہلال کی بجائے چاند کی تخلیق کی تاریخوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ یوں بھی مشاہدے سے ثابت ہوا ہے کہ سائنسدانوں کا یہ دعویٰ نرا دعویٰ ہی ہے کہ ان کے پاس اسلامی تقاضوں کے مطابق فول پروف نظام موجود ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال ہزاروں ڈائریاں چھپتی ہیں اور ان میں قمری تاریخ کے لئے جس نظام پر اعتماد کیا جاتا ہے، وہ گرینچ یا عالمی سائنسی اداروں سے جاری شدہ ہوتا ہے۔ لیکن ہمارا روزمرہ مشاہدہ ہے کہ وہ تاریخیں اکثر غلط ثابت ہوجاتی ہیں، اسی سے سائنسی دعوے کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔

اگر ایسا ہی مثالی نظام موجود ہے تو ترقی یافتہ دنیا سے شائع ہونے والے قمری کیلنڈر اور ڈائریاں اس کا انکشاف کیوں نہیں کر دیتے اور عملاً چند سال کے مشاہدے سے ایسا ثابت کیوں نہیں ہوجاتا کہ یہ نظام قابل اعتماد کیفیت تک پہنچ گیا ہے۔ انسان نے پہلے بھی اپنے مفاد کے لئے ایک متوازی نظام (عیسوی تقویم) وضع کر رکھا ہے، اگر قمری نظام کے سلسلے میں بھی رؤیت کے حقیقی نظام کی بجائے حسابات پر انحصار کرلیا گیا تو یہ بھی بتدریج ایک متوازی نظام کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے حقیقی فطری تقویم سے بعید تر ہوتا جائے گا۔

رابطہ عالم اسلامی اس موضوع پر کافی مجالس منعقد کرچکی ہے، یہ مسئلہ وہاں بھی درپیش آیا کہ کیا سائنسی علم اس سلسلے میں پایۂ یقین کو پہنچ چکا ہے یا ابھی ظن وتخمین کے مرحلے میں ہے۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ماہرین فن کے ساتھ مباحثے کے نتیجے میں دسمبر ۱۹۸۵ء میں اسی موضوع پر منعقد ہونیوالی مجلس کے سربراہ نے آخر کار یہی فیصلہ دیا کہ

"وقد سمعتم ما ذكر على ألسنة البعض منهم أنه ظني وقد سمعتم من يحكي شيئا من قطعيته ومنهم من يقول أنه شبه قطعي وما جرٰى مجرى ذلك (مجلة مجمع الفقه الاسلامي: عدد۲/جز۲،ص۱۰۳۰)

''آپ نے یہ بھی سنا جو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ علم ابھی ظنی (غیر حتمی) ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قطعی ہوچکا ہے جبکہ بعض نے اسے قطعی کے قریب قریب قرار دیا۔''

www.KitaboSunnat.com

بالفرض یہ نظام قابل اعتماد اور ۱۰۰ فیصد یقینی ہو بھی جائے تو ہمیں یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ اسلام کا اس سلسلے میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا ہے؟ کیا اسلام اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ مسلمان نظام وحساب پر انحصار کر کے بیٹھ جائیں۔

اسلام نے مسلمانوں کو مہینے کے آغاز کے لئے 'ہلال' دیکھنے کا پابند کیا ہے۔ اور اگر ۳۰ دن پورے ہو جائیں، تب حساب وکتاب پر اعتماد کرنے کی اجازت دی ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

◉ «صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غبي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين» (صحیح بخاری:۱۹۰۹)

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو۔ اگر تم پر مخفی ہو جائے تو پھر شعبان کے ۳۰ دن پورے کرو۔''

◉ «إذا رأيتموه فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا» (صحیح بخاری:۱۹۰۰)

جب چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھ لو تو اِفطار کرو۔''

◉ «لا تصوموا حتى تروا الهلال ولا تفطروا حتى تروا» (بخاری:۱۹۰۶)

''جب تک نیا چاند نہ دیکھ لو، روزے رکھنا مت شروع کرو۔ اور جب تک نیا چاند نہ دیکھ لو، روزے مت چھوڑو۔ الخ''

◉ نبی کریم ﷺ کی سنتِ مطہرہ بھی یہی تھی کہ

كان رسول الله يتحفَّظ من شعبان ما لا يتحفظ من غيره ثم يصوم لرؤية رمضان فإن غمَّ عليه عدَّ ثلاثين يومًا (سنن ابوداود:۲۳۲۵)

''رسول اللہ ﷺ شعبان کے چاند کی بہت زیادہ حفاظت (اہتمام) کرتے۔ اور ۲۹ شعبان کو خود چاند دیکھنے کی کوشش کیا کرتے، اگر چاند آپ پر مخفی رہ جاتا تو تیس روز پورے کرتے۔''

◉ آپؐ اپنے صحابہ کو حکم فرماتے «احصو هلال شعبان لرمضان» (حاکم:۱/۵۸۷)

''رمضان المبارک کے لئے شعبان کے چاند کی گنتی کیا کرو۔''

رمضان کے چاند کے سلسلے میں اتنی احتیاط کی وجہ دراصل یہ ہے کہ یہ ہلال (پہلی رات کا چاند) دیکھنے کا مسئلہ ہے نہ کہ قمر یا بدر کو دیکھنے کا۔ اور ہلال انتہائی باریک ہوتا ہے جو چند منٹوں کے لئے مطلع پر موجود رہ کر غائب ہو جاتا ہے۔ رمضان اور عید الفطر کے سلسلے میں چونکہ پہلی

www.KitaboSunnat.com

تاریخوں کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، اس لئے یہی دو مہینے سب سے زیادہ توجہ کے متقاضی رہتے ہیں جبکہ سال بھر کوئی اور ایسا تہوار پہلے دن سے شروع نہیں ہوتا۔ چند روز گزر جانے کے بعد آسمان پر موجود چاند کی کیفیت سے بہت سے شبہات از خود ختم ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً عیدالاضحیٰ یا محرم الحرام وغیرہ کے سلسلے میں وہ پیچیدگی بھی پیش نہیں آتی۔

مشاہدہ رؤیت کوئی مجرد مطالبہ نہیں بلکہ دراصل یہ نظام فطرت پر انحصار ہے اور دین میں آسانی کا پہلو ظاہر کرتا ہے کیونکہ محاق یا اجتماعِ نیرین کو ہر شخص کیوں کر محسوس کرسکتا ہے۔

☜ رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں رؤیت پر انحصار کیا جائے یا حساب، نظام فلکیات پر، اس سلسلے میں ائمہ اسلاف کا موقف کیا رہا ہے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"وقد أجمع المسلمون عليه ولا يعرف فيه خلاف قديم أصلا ولا خلاف حديث إلا أن بعض المتأخرين من المتفقهة الحادثين بعد المائة الثالثة زعم أنه إذا غم الهلال صار للحاسب أن يعمل في حق نفسه بالحساب فإن كان الحساب دلَّ على الرؤية صام وإلا فلا . هذا القول وإن كان مقيَّدا بالإغمام ومختصًّا بالحاسب فهو شاذ مسبوق بالإجماع على خلافه فأما اتباع ذلك في الصحو أو تعليق عموم الحكم العام به فما قاله مسلم" (مجموع فتاویٰ: ۱۳۳،۱۳۲/۲۵)

''مسلمانوں کا (قمری ماہ کو رؤیتِ ہلال سے شروع کرنے پر) اجماع ہے اور اس سلسلے میں قدیم وجدید مسلمانوں میں کوئی بھی اختلاف پایا نہیں جاتا۔ ماسوائے اس امر کہ تیسری صدی ہجری کے بعد بعض فقہا نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر آسمان پر بادل وغیرہ ہوں تو حساب رکھنے والا اپنی حد تک حساب پر بھی عمل کرسکتا ہے۔ اگر حساب کی رو سے رؤیتِ ہلال واقع ہوتی ہے تو وہ خود روزہ رکھ سکتا ہے، وگرنہ نہیں۔ یہ قول اگرچہ بادلوں اور حساب رکھنے والے شخص کے ساتھ مخصوص ہے، پھر بھی شاذ ہے اور ماقبل منعقدہ اجماع کے مخالف بھی۔ البتہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں حساب کو معتبر ماننا اور اسے ایک عام حکم قرار دینا ایسا موقف ہے جس کا کبھی بھی کوئی مسلمان قائل نہیں رہا۔''

علامہ ابن تیمیہ نے جو موقف پیش کیا ہے، اسی کو حافظ ابن حجر اور سعودی عرب کی کبار علماء کونسل نے بھی اختیار کیا ہے۔ اور اس موضوع پر شیخ بکر ابو زید کا ایک طویل مقالہ بھی لائق

www.KitaboSunnat.com

مطالعہ ہے۔ (فتح الباری:۴/۱۵۷، ۱۵۸، أبحاث هيئة كبار العلماء:۳/۳۰، فقہ النوازل:۲/۱۸۹)

بعض علما کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ رؤیت کی بجائے نظام فلکیات پر اعتماد کے قائل تھے، لیکن اس سلسلے میں جن علما کا نام لیا جاتا، ان کا بارے میں مستند طور پر یہ بات ثابت نہیں ہوسکی۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: 'رؤیتِ ہلال' از مقصود الحسن فیضی:۲۷ تا ۵۶)

☜ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج مسلمان جس طرح نمازوں کے لئے گھڑیوں پر انحصار کر لیتے ہیں، اور کوئی سورج کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا تو کیا از روئے شریعت ایسا ہی چاند کے بارے میں نہیں کیا جاسکتا.....؟

اوپر درج شدہ فرامینِ نبویؐ سے پتہ چلتا ہے کہ رؤیتِ ہلال شریعت کا باقاعدہ تقاضا ہے، جس کی حکمتیں بھی پیچھے گزر چکی ہیں جبکہ سورج پر مبنی اوقاتِ نماز کے مشاہدہ کا ایسا باقاعدہ تقاضا شریعت میں موجود نہیں ہے۔ یوں بھی رمضان کے دنوں کے برعکس نمازوں کے اوقات میں توسع پایا جاتا ہے۔ چاند کی روشنی لطیف (قرآنی الفاظ میں نور) ہوتی ہے جسے تلاش کرنا پڑتا ہے جبکہ سورج کی روشنی انتہائی تیز (قرآنی الفاظ میں ضیاء) جو اپنی موجودگی کا نہ صرف خود پتہ دیتی ہے بلکہ نظر کو خیرہ کر دیتی ہے۔ چاند کی ساخت میں تاریخوں کے اعتبار سے کمی بیشی واقع ہوتی رہتی ہے جبکہ سورج طلوع وغروب کی ہر حالت میں اپنے پورے سائز پر برقرار رہتا ہے۔ سورج بذاتِ خود روشنی کا قوی منبع ہے، جبکہ چاند کی روشنی سورج اور زمین کے ایک مخصوص زاویے پر آنے سے ہی زمین پر پہنچتی ہے۔ یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر سورج اور چاند کے معاملات کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

یہ تو شریعت کا تقاضا ہے کہ رمضان کے آغاز کو رؤیتِ ہلال پر ہی منحصر سمجھا جائے لیکن اسلام سائنس کا مخالف نہیں ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو سائنسدانوں سے معاندت کی بجائے ان کی مدد حاصل کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر سائنسدانوں کو یقین ہے کہ چاند مغرب کے بعد فلاں فلاں زاویے پر اتنے منٹ کے لئے نمودار ہوگا تو ذمہ دار مسلمانوں کو ان کی مدد لیتے ہوئے ان سے تقاضا کرنا چاہئے کہ لائیے ہمیں اپنی آنکھ سے بھی اس کا مشاہدہ کروا دیجئے تاکہ شرعی تقاضا بھی پورا ہوجائے، اور کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک ہلال کے مشاہدے میں سائنسی آلات سے استفادہ کی بات ہے تو اس میں ایک حد تک کوئی حرج نہیں اور سعودی عرب کے مشہور عالم شیخ محمد بن صالح العثیمین اور سعودی عرب کی دائمی فتویٰ کمیٹی اس سلسلے میں دوربین وغیرہ کے استعمال کے جواز کا فتویٰ دے چکی ہے۔☆

البتہ آلات کے استعمال کے سلسلے میں یہ بات ضرور پیش نظر رہنی چاہئے کہ چاند اپنی ولادت (سورج، چاند اور زمین کا ایک سیدھ میں آجانا) کے بعد زمین کے گرد ہی موجود ہوتا ہے، لیکن اس کی یہ موجودگی زمین پر قابل رؤیت مختلف اوقات میں ہوتی ہے۔ ایسے سائنسی آلات جو اسکی رؤیت میں درپیش خارجی رکاوٹوں (مثلاً روشنی، فضا میں ذرات یا نمی وغیرہ کا موجود ہونا وغیرہ) کو کم کرکے قابل رؤیت چاند کو دکھا دیں تو ان کا استعمال تو درست ہے، لیکن ایسے قوی آلات جو مختلف زاویوں اور مساوات کو استعمال کرتے ہوئے ناقابل رؤیت چاند کا بھی مشاہدہ کرادیں کیونکہ چاند آخر کار کائنات سے باہر تو کہیں چلا نہیں جاتا تو ایسے آلات کا استعمال ناجائز ہے۔ اُن آلات کی مدد سے تو سورج کو بھی رات کے ۱۲ بجے دیکھنا ناممکن نہیں ہے۔ غرض سائنس کے مناسب استعمال اور جائز استفادہ کو رواج دیا جانا چاہئے اور شریعت کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں تاکہ مخصوص ایام سے وابستہ برکت فی الحقیقت مسلمانوں کو حاصل ہوسکے۔

۵ پاکستان میں عیدوں یا رؤیت کے مسئلہ پر اختلاف کیوں واقع ہوتا ہے؟

جہاں تک پاکستان میں اس حوالہ سے اختلاف کا تعلق ہے تو اس کے عوامل کئی ہیں، جن میں بعض غلط ہیں اور بعض صحیح، جنہیں کھلے دل سے قبول کرنے اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

① اس سلسلے میں ایک اہم وجہ تو فقہی نقطہ نظر کا اختلاف ہے کہ رؤیت کے لئے کتنے افراد کی شہادت ضروری ہے؟ جہاں تک شریعتِ اسلامیہ کا موقف ہے تو بعض احادیث اس بارے میں بڑی واضح ہیں مثلاً

① حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے آکر رؤیتِ ہلال کی خبر دی، نبی کریم ﷺ نے اس سے کلمہ شہادت پوچھا، اس کے سنا دینے پر آپ نے حضرت بلالؓ کو کل روزہ رکھنے کے اعلان کرنے کا حکم فرما دیا۔ (سنن ابوداود: ۲۳۴۰)

☆ مجموعہ رسائل وفتاوی شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ: ج ۱۹/ص ۳۶، ۳۷..... فتاوی اللجنة الدائمة: ۹۹/۱۰

www.KitaboSunnat.com

② عکرمہؓ سے مروی ہے کہ ایک بار لوگوں کو ہلالِ رمضان کے بارے میں شک رہ گیا، اور اُنہوں نے قیام وصیام نہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اسی اثنا میں ایک اعرابی نے 'حرہ' سے آکر رؤیتِ ہلال کی شہادت دی۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے کلمہ شہادت کی تصدیق کر لینے کے بعد حضرت بلالؓ کو قیام وصیام کے اعلان کرنے کا حکم فرمایا۔ (سنن ابی داود:۲۳۴۱)

③ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ لوگ چاند دیکھ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ کو چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت عمرؓ اور علیؓ کے سامنے مختلف واقعات میں ایک، ایک شخص نے رؤیتِ ہلال کی گواہی دی تو اُنہوں نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (مصنف عبدالرزاق:۴/۱۶۸،سنن دارقطنی:۲/۱۷۰)

پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اسی پر اکثر اہل علمؒ کا عمل ہے، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور ابن مبارکؒ کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، زیرحدیث ۶۲۷)

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ، احمدؒ، ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور جمہورؒ کا موقف یہ ہے کہ رمضان کے وقوع کے سلسلے میں ایک عادل گواہ کی شہادت معتبر ہے۔ (عون المعبود:۲/۲۷۴)

معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے وقوع کے بارے میں ایک شخص کی گواہی معتبر ہے، البتہ ایک حدیث میں دو گواہوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ جبکہ عید الفطر یعنی ماہِ شوال کی آمد کے بارے میں مختلف احادیث کی بنا پر دو گواہوں کی شہادت ہی ضروری ہے۔

پاکستان کی رؤیتِ ہلال کمیٹیوں میں موجود افراد کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے ہاں اکثر وبیشتر ایک یا دو افراد کی شہادت موصول ہوجاتی ہے، یعنی شرعی تقاضا پورا ہوجاتا ہے لیکن بعض علما یہاں جمع غفیر کی شرط کا تقاضا کرکے مسئلہ کو اُلجھا دیتے ہیں۔ اس بنا پر ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مسئلہ کو نکھار لیا جائے کہ اس سلسلے میں احادیث کی بنا پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

رؤیتِ ہلال میں مشکلات کا مسئلہ آج کل تو متعدد وجوہ کی بنا پر کافی گھمبیر ہوچکا ہے، لیکن صدیوں پہلے جب فضائیں ابھی گدلی نہیں ہوئی تھیں، مصنوعی روشنیوں کا تصور بھی نہیں تھا، لوگ نیک اور صالح تھے اور معاشرہ صداقت کا خوگر تھا، تب بھی مدینہ منورہ میں باوجود کوشش کے کسی کو چاند نظر نہ آسکا، اور حرہ سے آکر ایک دیہاتی نے چاند دیکھنے کی اطلاع دی۔ اس

www.KitaboSunnat.com

موقع پر نبی کریم ﷺ نے یہ تقاضا ہرگز نہیں کیا کہ اگر چاند موجود تھا تو ہمیں نظر کیوں نہیں آیا؟ اس لئے یہ شہادت غیر معتبر ہے۔ چنانچہ آج بھی مستند اور دیندار اکیلے شخص کی گواہی پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ فرمانِ نبویؐ کی بنا پر معاملات حل ہونے سے ان شاء اللہ آسانی ہی حاصل ہوگی۔

② ہمارے ہاں اکثر وبیشتر صوبہ سرحد میں دوسری عید کا مسئلہ پیش آتا ہے۔ کبھی گوجرانوالہ یا ملتان کے لوگوں کی دوسری عید کا سوال پیش نہیں آیا۔ اس مسئلہ کے پیچھے بعض اوقات سیاسی مصالح کارفرما ہوتی ہیں جیسا کہ گذشتہ سال ۲۰۰۶ء میں بعض باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ وفاق اور صوبہ سرحد کی حکومت کے مابین بعض پیچیدگیاں اس کا سبب بنی تھیں۔ سیاسی پیچیدگی تو محض وقتی ہے، دینی تقاضوں کو بہرصورت اُن سے بالاتر ہوکر پورا کرنا چاہئے۔

بعض اوقات اس کے پس پردہ صوبہ پشاور کے عوام کے دیگر محرکات ہوتے ہیں، مثلاً افغانستان کے عوام سے اظہارِ قربت جن کا ان سے گہرا نسلی تعلق ہے۔ بالخصوص جب سے پشاور وافغانستان میں عرب مجاہدین کی آمد ورفت میں اضافہ ہوا ہے تو ان میں سے بعض عرب مجاہدین ان علاقوں میں ہونے کے باوجود عید و رمضان کے لئے اپنے اصل علاقوں کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ بعض اس کی وجہ سعودی عرب کے نظامِ رؤیت کے قابل اعتماد ہونے کو بتاتے ہیں تو بعض اُصولاً ہی اس نادر نظریہ پر عمل پیرا ہیں کہ مکہ مکرمہ کی رؤیت تمام دنیا کے لئے معتبر ہے اور پوری دنیا میں اسی کے مطابق ہی رمضان اور روزہ وغیرہ کا فیصلہ ہونا چاہئے۔

ماضی میں اختلافِ مطالع کا مسئلہ تو اس قدر نکھر کر سامنے نہیں آیا تھا، کیونکہ دور دراز سے فوری اطلاع ملنا ہی کافی مشکل تھا، لیکن جب سے دنیا میں رابطہ ومعلومات اور نقل وحمل کی سہولیات وافر ہوگئی ہیں، تب سے یہ مسئلہ کافی اُبھر کر سامنے آگیا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں میں بھی اس حوالے سے مختلف آرا پائی جاتی ہیں، چنانچہ برطانیہ میں بعض لوگ تو مکہ مکرمہ کے ساتھ ہی رمضان وغیرہ کا آغاز کردیتے ہیں اور بعض لوگ مراکش وغیرہ (جو قریب ترین اسلامی ملک ہے) کی رؤیت پر اعتماد کرتے ہیں۔

چاند کے طلوع ہونے کی جگہ کو مَطلَع کہتے ہیں۔ اور یہ بات اب مسلمہ کی حیثیت اختیار کرچکی ہے کہ دنیا بھر میں چاند کے مطالع مختلف ہیں اور دور کے شہروں کی رؤیت معتبر نہیں

www.KitaboSunnat.com

ہے، جیسا کہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس پر اجماع ذکر کیا ہے کہ اَندلس اور خراسان کی رؤیت ایک دوسرے کے لئے قطعاً معتبر نہیں ہے۔ (الاستذکار: ۳۰/۱۰) یہی صورتحال مکہ مکرمہ کی رؤیت کی ہے کہ پاکستان میں اکثر وبیشتر سعودی عرب سے ایک روز بعد چاند طلوع ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ کی رؤیت کو اپنے لئے معتبر خیال نہیں کیا جاتا۔ اختلافِ مطلع کا یہی مفہوم ہے۔ اس اعتبار سے امریکہ و برطانیہ میں قیام پذیر مسلمانوں کا مکہ مکرمہ کے ساتھ عید کرنا بھی محل نظر ہے!

اس سلسلے میں دورِ خیر القرون کے دو واقعات سے بھی رہنمائی لی جاسکتی ہے:

① کریبؒ فرماتے ہیں کہ اُنہیں اُمّ الفضل نے شام میں حضرت معاویہؓ کے پاس کسی کام سے بھیجا۔ کام پورا کرنے کے بعد ابھی میں شام میں ہی تھا کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا اور میں نے جمعہ کی رات خود چاند کا مشاہدہ کیا۔ رمضان کے آخر میں جب میں مدینہ واپس پہنچا تو حضرت عباسؓ نے مجھ سے شام میں چاند کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا کہ ہم نے تو جمعہ کی شام چاند دیکھا تھا۔ حضرت عباسؓ نے پھر تصدیق چاہی: کیا تم نے خود دیکھا تھا؟ تو کریب نے کہا: بالکل، بلکہ بہت سے اور لوگوں نے بھی دیکھا اور اسی کے مطابق روزے بھی رکھے، خود امیر معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بولے:

"لكنا رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نُكمل ثلاثين . فقلتُ:أو لا نكتفي برؤية معاوية وصيامه؟ فقال: لا هٰكذا أمرنا رسول الله" (مسلم:۱۸۱۹)

''لیکن ہم نے تو ہفتہ کی رات ہلالِ رمضان دیکھا تھا۔ ہم تو اس وقت تک روزے رکھیں گے جب تک ۳۰ روزے پورے نہ کرلیں۔ میں نے کہا: کیا ہمیں معاویہؓ کی رؤیت اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں؟ تو حضرت عباسؓ بولے: نہیں، نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔''

② ایک بار مدینہ منورہ میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ اُلجھ گیا، لوگوں نے کہا کہ اَستارہ میں چاند نظر آ گیا ہے۔ تب قاسمؒ اور سالمؒ نے فرمایا: ہمارا اہل اَستارہ سے کیا واسطہ؟'' (ابن ابی شیبہ:۷۸)

اختلافِ مطالع کا مسئلہ میں علما کا موقف کافی واضح ہے اور کتبِ احادیث کے مؤلفین محدثین کرامؒ نے عنوان بندی کے ذریعے اس مسئلہ میں اپنا واضح رجحان ظاہر کردیا ہے، مثلاً جامع ترمذی کا باب یہ ہے: باب ما جاء لكل أهل بلد رؤيتهم

صحیح مسلم میں باب بيان أن لكل بلد رؤيتهم وأنهم أذا رأوا الهلال

www.KitaboSunnat.com

ببلد لا يثبت حكمه لما بَعُد منهم

امام بخاری نے باب لكل بلد رؤيتهم (معروف نسخہ میں یہ باب نہیں)

امام نسائیؒ نے باب اختلاف أهل الآفاق في الرؤية

امام ابوداودؒ نے باب إذا رءي الهلال في بلد قبل الآخرين بليلة

امام ابن خزیمہؒ نے باب الدليل على أن الواجب على كل أهل بلد صيام رمضان لرؤيتهم لا لرؤية غيرهم

امام ابن تیمیہؒ نے باب الهلال إذا رأوه أهل بلد هل يلزم بقية البلاد الصوم (یہ باب امام صاحب کی کتاب حدیث منتقی الاخبار کا ہے)

امام ابن الاثیرؒ نے باب اختلاف البلد في الرؤية ('جامع الاصول' میں)

ابن ابی شیبہؒ نے في القوم يرون الهلال ولا يرون الآخرون

امام ترمذیؒ نے مذکورہ بالا باب کے تحت کریبؒ کی روایت کردہ حدیثِ ابن عباسؓ کو ذکر کرکے فرمایا ہے: ''ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔''

ان واضح دلائل اور حقائق کے باوجود پاکستان میں تاحال اختلافِ مطالع کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ بعض احناف کے ہاں اختلافِ مطالع کا تصور معتبر نہیں ہے، اسی بنا پر پاکستان کے علماے احناف پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن عید اور روزے کے بھی قائل رہے ہیں۔ لیکن مزید تحقیقات ہونے پر بعض حنفی علما نے اس موقف سے اب رجوع بھی کرلیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ایسا مشاہدہ ہے جس کے بعد کوئی دوسرا چارہ کار نہیں رہتا۔ مثال کے طور پر ایک علاقے میں دوسروں کے برعکس ۲۸ روز کے بعد ہی چاند نظر آجائے تو لازمی بات ہے کہ اس کے مطلع کو مختلف ماننا ہی پڑے گا۔ چنانچہ حنفی علما میں علامہ زیلعیؒ اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اختلافِ مطالع کو معتبر تسلیم☆ کیا ہے۔ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس تحقیقاتِ شرعیہ نے ۳، ۴ مئی ۱۹۶۷ء کو اپنے فیصلہ میں اختلافِ مطالع کو تسلیم کرتے ہوئے قرار دیا ہے کہ

''محققین احناف اور علماے اُمت کی تصریحات اور ان کے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے یہ ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطلع معتبر ہے۔'' (جدید فقہی مسائل: ۱/۸۹ تا ۹۴)

☆ اس موضوع پر حنفی فقہا کی مکمل آرا کے مطالعہ کے لئے دیکھئے 'محدث' کا شمارہ اپریل ۱۹۹۹ء، ص ۱۷ تا ۲۱

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک بلادِ بعیدہ کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں علما کے ہاں مختلف اقوال موجود ہیں:

- بعض کے نزدیک وہ شہر جو ۵۰۰ یا ۶۰۰ میل کی مسافت پر ہوں، بلادِ بعیدہ ہیں۔
- ایسے دو شہر جن کی رؤیت میں عادتاً اختلاف واقع ہوتا ہے کہ اگر ایک کی رؤیت دوسرے کے لئے لازمی کردی جائے تو ایک کا مہینہ ۳۰ دن کا اور دوسرے کا ۲۸ دن کا رہ جائے گا، تو وہاں اختلافِ مطلع معتبر ہے مثلاً مصر وحجاز کا مطلع ہند وپاک سے یقیناً مختلف ہے۔
- بعض ماہرین کے نزدیک ایسے شہر جو ایک ہی طول بلد پر واقع ہیں، ان کا مطلع ایک ہی ہوگا چاہے ان میں زمینی بعد کتنا ہی کیوں نہ ہو مثلاً ریاض اور ماسکو ایک ہی طول بلد پر ہیں تو ان کا مطلع بھی ایک ہی ہے۔
- بعض لوگوں نے اختلافِ مطالع کو صوبوں اور ملکوں کی حدود میں اور بعض لوگوں نے ایک حاکم کی ماتحت رعایا کی بنا پر بھی اسے تقسیم کرنے کا موقف اختیار کیا ہے۔
- بعض لوگوں نے اسے مسافتِ قصر، بعض نے ایک رات کی مسافت، بعض نے ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز کے وقت داخل ہو جانے پر، مثلاً ایک شہر میں ظہر کا وقت ہو تو دوسرے شہر میں اسی وقت عصر پڑھی جاتی ہو، اختلافِ مطالع کو محمول کیا ہے۔
- اہل مشرق کی رؤیت تو اہل مغرب کے لئے معتبر ہے لیکن اس کے برعکس نہیں۔

مجلس تحقیقاتِ شرعیہ لکھنؤ نے اس سلسلے میں ۱۹۶۷ء میں ایک ایسے چارٹ کی سفارش کی تھی جس میں اختلافِ مطالع والے ممالک کی تفصیلات درج ہوں۔ بالفرض اگر اختلافِ مطالع ایک مستقل اور غیر متبدل حد بندی ہے تو پھر اس سلسلے میں سائنس سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے۔ اور ایسے چارٹ پر شرعی تقاضوں کے مطابق ضروری تفصیلات کا اضافہ بھی کردینا چاہئے تاکہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے رؤیتِ ہلال کے عمل میں آسانی حاصل ہو۔

الغرض اختلافِ مطالع کی جو بھی تفصیل ہو، یہ امر ایک مسلمہ زمینی حقیقت رکھتا ہے۔ اس بنا پر بالفرض اگر پشاور کے گرد ونواح کا مطلع فی الواقع ملک کے دیگر حصوں سے مختلف ہے تو مشاہدہ کی بنیاد پر ان کو علیحدہ عید یا روزہ کی اجازت بھی دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ کافی تفصیل طلب ہے جس کی بنیاد بہرحال مشاہدہ ہی ہوگا۔

www.KitaboSunnat.com

③ صوبہ سرحد میں خودساختہ کمیٹیوں کا وجود بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس کی بنا پر اختلاف واقع ہوتا ہے۔ جب کسی ملک میں اجتماعی طور پر ایک مرکزی نظم کے تحت رؤیتِ ہلال کا باقاعدہ نظام موجود ہو، اور اس کو شرعی تقاضوں کے مطابق چلانے کی کوشش بھی کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں پرائیویٹ کمیٹیوں کا وجود درست نہیں۔ یاد رہے کہ عید اور رمضان میں صرف چاند دیکھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی شہادت کے بعد قاضی کا فیصلہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ احادیثِ نبویہؐ میں گواہوں کا آ کر نبی کریم ﷺ کے سامنے ذکر کرنا اور آپ کے حکم دینے کا تذکرہ بھی موجود ہے، تب ہی دیگر مسلمانوں پر اس روزہ یا عید کا انعقاد لازمی قرار پاتا ہے۔

ایسا شخص جس نے خود چاند دیکھا لیکن اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا گیا، تو اس بارے میں علما میں اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک اگر تو وہ رمضان کا ہلال ہے تو اس کو خود روزہ رکھنا چاہئے، البتہ دیگر لوگ اسی صورت میں روزہ رکھنے کے پابند نہ ہوں گے جب تک قاضی اس شہادت کو قبول نہیں کرے گا، جبکہ چند علما کے ہاں خود وہ شخص بھی روزہ رکھنے کا پابند نہیں ہے۔ جہاں تک عید کے چاند کا تعلق ہے تو چونکہ اس کے لئے ایک کی شہادت کافی نہیں ہے، اس لئے اس صورت میں ایسے شخص کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

☜ علاوہ ازیں عید اور روزے کے بارے میں مسلمانوں کی اجتماعیت کا بھی گہرا عمل دخل ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

«الصوم يوم تصومون والفطر يوم تُفطرون والأضحى يوم تضحون»

''روزہ اس دن رکھا جائے جس دن لوگ روزہ رکھتے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی اس دن منائی جائے جب لوگ عید مناتے ہیں۔'' (جامع ترمذی:٦٩٧)

اس فرمان سے معلوم ہوا ہے کہ ان چیزوں میں اجتماعیت کو خاص دخل حاصل ہے، کوئی شخص اکیلے عید نہیں کرسکتا۔ اس بنا پر بعض علما نے ملک بھر میں ایک ہی روز عید یا ایک ہی دن روزہ کی جو توجیہ پیش کی ہے تو ان کے پیش نظر یہی اجتماعیت ہے۔ وگرنہ اجتماعیت کے ماسوا شریعت کی نظر میں ان ملکی سرحدوں کی کیا حیثیت ہے، اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کو رؤیتِ ہلال کا ہی پابند بنایا ہے، اور چاند کی رؤیت میں مطالع کا اختلاف ان ملکی سرحدوں سے بالاتر ہے، یہی بات بعض ممتاز حنفی علما نے بھی کہی ہے، کہ ملک بھر میں اختلافِ مطالع کے باوجود ایک عید

www.KitaboSunnat.com

کو گوارا کیا جاسکتا ہے، مولانا مفتی محمد شفیعؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''اگر چہ شرعی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ پورے ملک میں عید ایک ہی دن منانے کا کوئی اہتمام نہیں ہوا اور ملک کے وسیع وعریض ہونے کی صورت میں شدید اختلافاتِ مطالع کی مشکلات بھی اس میں پیش آسکتی ہیں۔لیکن پاکستان کے عوام اور حکومت کی اگر یہی خواہش ہے کہ عید پورے پاکستان میں ایک ہی دن ہو تو شرعی اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے۔شرط یہ ہے کہ عید کا اعلان پوری طرح شرعی ضابطہ شہادت کے تحت ہو'' (جواہر الفقہ :۱/۳۹۷)

اس فتویٰ یا موقف پر مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی رشید احمد رحمہم اللہ کے بھی دستخط ہیں اور یہ تحریر ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۶ء) کی ہے۔

④ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کو بنانے کا مقصد کیا ہے، ان میں اکثر لوگ ضعفِ بصارت کا شکار ہوتے ہیں اور خود اُنہیں چاند بھی نظر نہیں آتا۔تو یہ واضح رہنا چاہئے کہ ایسی کمیٹیوں کا بنیادی وظیفہ رؤیت نہیں گو کہ وہ اس کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ان کا اصل وظیفہ تو مختلف علاقوں سے گواہیاں حاصل کرکے ان کو جانچ پرکھ کر رؤیتِ ہلال کا فیصلہ دینا ہے۔اس سلسلہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت کو ملحوظ رکھنا بھی ایسی مشترکہ کمیٹی یا نظم کی بنا پر ہی ممکن ہے جیسا کہ سعودی عرب میں 'مجلس القضاء الاعلیٰ' (سپریم جوڈیشل کونسل) کی چھ رکنی 'رؤیتِ ہلال کمیٹی' اس امر کا فیصلہ کرتی ہے۔

آخر میں رؤیتِ ہلال کی عملی تفصیل اور طریقہ کار کو مضمون کی طوالت کے پیش نظر حذف کیا جاتا ہے۔اس موضوع کے خواہش مند راقم کے نانا مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی اس موضوع پر مشہور کتاب الشمس والقمر بحسبان (ص ۴۵ تا ۴۸) کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

مزید برآں اسی سلسلے کے جدید مسائل پر فتاویٰ کے لئے راقم کے دادا حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ کے 'فتاویٰ اہل حدیث' (جلد دوم ۵۱۴ تا ۵۵۲) کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

❷ اس سلسلے میں حکومت کو کونسے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں؟

① مسلم حکومت کو اسلامی تقویم کو رواج دینا چاہئے کیونکہ یہ اسلام کا اہم تقاضا ہے۔

② حکومت کو اس دینی مقصد کے لئے سائنسدانوں کی مدد بھی حاصل کرنا چاہئے کہ وہ معاونتی تفصیلات اور درکار آلات مہیا کریں، اور رؤیت کے عمل میں مدد کریں۔

www.KitaboSunnat.com

③ عوام الناس کو میڈیا کے ذریعے رؤیتِ ہلال کی فضیلت، سنتِ رسولؐ ہونے، رؤیت کا طریقہ اور شہادت کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری سے آگاہ کرنا چاہئے۔

④ حکومت اس سلسلے میں بعض ایسے اقدامات کرے جن سے شہادت کا حصول فوری اور یقینی ہوجائے۔ مثلاً ملک بھر میں میڈیا کے ذریعے ایک یونیورسل فون نمبر مشتہر کرنا اور اس کی بنا پر ملنے والی شہادت کو ضروری شرعی تقاضوں کے مطابق پرکھتے ہوئے فوری فیصلہ کرنا۔

⑤ وہ مسائل جو اختلاف اور پیچیدگی کا سبب بنتے ہیں، ان کے بارے میں کتاب وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے ایک واضح اور قابل عمل موقف اپنانا مثلاً نصابِ رؤیت یا اختلافِ مطالع وغیرہ اور اراکین کو ضروری سائنسی معلومات اور شرعی تصورات سے کما حقہ آگاہ کرنا۔

⑥ ذرائع ابلاغ میں بلاوجہ رائے زنی، افواہوں اور عدم اعتماد کی روک تھام کی کوشش کرنا۔

⑦ سائنسی نظام اور معلومات کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے سائنسی تحقیق کو مناسب رُخ دینے کے اقدامات کئے جائیں، مثلاً ہر سال چاند کے قابل رؤیت ہونے کی تفصیل اور اختلافِ مطالع وغیرہ کے امدادی چارٹ وغیرہ بنوائے جائیں۔ کم ازکم مسلم سائنسی ماہرین پر یہ فرض بطور خاص عائد ہوتا ہے کہ چاند پر تحقیق کے عمل کو اسلامی تقاضوں کے مطابق آگے بڑھائیں۔ (حافظ حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

کتاب وحکمت

مولانا محمد رفیق چودھری

کیا قرآن 'میزان' ہے؟

جاوید احمد غامدی کہتے ہیں کہ الفرقان اور المھیمن وغیرہ اسمائے قرآنی کی طرح المیزان بھی قرآن کے ناموں میں سے ایک نام اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''چوتھی چیز یہ ہے کہ قرآنِ مجید اس زمین پر حق و باطل کے لئے 'میزان' اور 'فرقان' اور تمام سلسلۂ وحی پر ایک مُھیمن کی حیثیت سے نازل ہوا ہے:

﴿اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ﴾ (الشوریٰ:۱۷)

''اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اُتاری یعنی 'میزان' نازل کی ہے۔''

اس آیت میں والمیزان سے پہلے 'و' تفسیر کے لئے ہے۔ اس طرح المیزان درحقیقت یہاں الکتاب ہی کا بیان ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے لئے قرآن اُتارا ہے جو دراصل ایک میزانِ عدل ہے اور اس لئے اُتارا ہے کہ ہر شخص اس پر تول کر دیکھ سکے کہ کیا چیز حق ہے اور کیا باطل؟ چنانچہ تولنے کے لئے یہی ہے، اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر اسے تولا جاسکے۔''

(میزان: ص۲۲، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء واُصول ومبادی: ص۲۳،۲۲ طبع فروری ۲۰۰۵ء)

ہمارے نزدیک 'میزان' نہ تو قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام ہے اور نہ اس کی صفات میں سے کوئی صفت بلکہ وہ وحی کے لئے ہرگز میزان نہیں ہے۔ جس آیت سے اُنہوں نے قرآن کے میزان ہونے کا استدلال کیا ہے، وہ استدلال بھی کئی لحاظ سے غلط ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

① قرآن مجید کے پچپن (۵۵) اسماء اور صفات کی مکمل فہرست امام بدرالدین زرکشی نے البرھان في علوم القرآن میں اور امام سیوطی نے الإتقان میں دے دی ہے مگر ان

www.KitaboSunnat.com

میں 'میزان' کا نام یا صفت کہیں شامل نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: البرہان: ج۱ص۲۷۳ تا ۲۷۶)

④ علامہ زمخشری (جسے غامدی صاحب إمام اللغة مانتے ہیں، دیکھیں: میزان ج۱ص۱۲۸ طبع ۱۹۸۵ء) نے اپنی تفسیر الکشاف میں سورۃ الشوریٰ کی مذکورہ بالا آیت میں الکتاب سے بھی قرآن مراد نہیں لیا بلکہ جنسِ الکتاب مراد لی ہے جس کا مطلب ہے: وہ سلسلۂ کتب جو اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں نازل کیا ہے۔ اس سے خاص قرآن مراد نہیں لیا جاسکتا، بلکہ ہر الہامی کتاب اس میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ علامہ زمخشری نے میزان کو قرآن کی صفت نہیں مانا بلکہ 'وَ' کو عاطفہ مانا ہے اور قرآن اور میزان کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا ہے۔ نیز اُنہوں نے میزان کے دو معنی لکھے ہیں، ایک 'عدل وانصاف' اور دوسرے 'ترازو' لہٰذا جب عربی زبان کے امامِ لغت نے مذکورہ آیت میں نہ تو قرآن کو میزان قرار دیا ہے اور نہ 'وَ' کو بیان یا تفسیر کے معنوں میں لیا ہے بلکہ واؤ عاطفہ قرار دے کر اس سے 'عدل وانصاف' یا 'ترازو' کے معنی لئے ہیں تو غامدی صاحب کس بنیاد پر اس آیت سے قرآن کا میزان ہونا مراد لے سکتے ہیں؟ الکشاف کی پوری عبارت باحوالہ یوں ہے:

أنزل الكتاب، أي جنس الكتاب ﴿وَالْمِيْزَانَ﴾ والعدل والتسوية، ومعنى إنزال العدل أنه أنزله في كتبه المنزلة وقيل الذي يوزن به

(الکشاف: ج۳ص۴۶۵، طبع مصر ۱۳۹۲ھ)

آیتِ مذکورہ کا یہی مفہوم امام طبریؒ نے 'تفسیر طبری' میں، امام قرطبیؒ نے 'تفسیر قرطبی' میں، حافظ ابن کثیرؒ نے 'تفسیر ابن کثیر' میں، علامہ شوکانیؒ نے 'فتح القدیر' میں، علامہ محمود آلوسیؒ نے 'روح المعانی' میں اور احمد مصطفیٰ مراغیؒ نے 'تفسیر مراغی' میں بیان کیا ہے۔

ان میں سے کسی مفسر نے اس آیت میں الکتاب سے نہ تو قرآن مراد لیا ہے اور نہ میزان کو اس کی صفت قرار دیا ہے۔ بلکہ اُمتِ مسلمہ کے یہ تمام معتمد علیہ اور عربی زبان وادب کے ماہر مفسرین کرام اس آیت کا ایک ہی مفہوم مراد لیتے ہیں کہ اس میں الکتاب سے سلسلۂ کتب مراد ہے اور میزان سے یا تو عدل وانصاف مراد ہے یا پھر ترازو مراد ہے، ان میں سے کسی نے بھی اس آیت کا وہ مفہوم نہیں لیا جو غامدی صاحب اس آیت سے کشید کرتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

③ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرنا اعلیٰ اور معتبر ترین تفسیر ہوتی ہے، کیونکہ "القرآن یُفسِّر بعضه بعضا" کا اُصول ایک مُسلّمہ اُصول ہے۔ اس اُصول کے تحت جب ہم اس آیت کے نظائر کا مطالعہ کرتے ہیں تو اِن سے بھی قرآن کا میزان ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر صرف دو آیات ملاحظہ ہوں:

(الف) ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید:۲۷)

''بے شک ہم نے اپنے پیغمبروں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتابیں نازل کیں اور ترازو بھی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہر دور میں واضح نشانیوں کے ساتھ پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور ان کتابوں کے ساتھ ترازو یعنی عدل و انصاف کا تصور اور اس کے بارے میں حکم بھیجا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور ظلم و زیادتی سے باز رہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ قرآن میزان ہے، کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن میزان ہے تو لامحالہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ قرآن تمام پیغمبروںؑ پر نازل ہوا ہے جب کہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔ میزان تو پہلے بھی تھی اور عدل و انصاف کا تصور اور حکم پہلے بھی تھا مگر قرآن صرف اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہی پر نازل ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میزان نہیں ہے۔

(ب) 'میزان' کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کے لئے ایک نظیر یہ بھی پیش نظر رہے کہ

﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (الرحمٰن:۷تا۹)

''اور اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو رکھ دی تاکہ تم لوگ تولنے میں زیادتی نہ کرو بلکہ انصاف سے پورا تولو اور کم نہ تولو۔''

سورۂ رحمٰن کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اور پھر میزان یعنی ترازو رکھنے کو واضح فرمایا ہے۔ پھر یہ حکم دیا ہے کہ تول ٹھیک رکھو، پورا تولو اور تول

www.KitaboSunnat.com

میں کمی نہ کرو۔ ان آیات کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنانے کے بعد انسانوں کو میزان کا تصور دیا ہے تاکہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں، تول پورا رکھیں اور تول میں ہرگز کمی نہ کریں۔

یہ آیات بھی قرآن کے میزان ہونے کی نفی کرتی ہیں۔ کیونکہ آسمان، زمین، سورج اور چاند کی تخلیق کے ساتھ اوّل روز سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو میزان یعنی عدل و انصاف کا تصور دیا اور پھر حکم دیا کہ لوگ عدل و انصاف سے کام لیں، ترازو سیدھی تولیں اور ڈنڈی نہ ماریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزول سے بھی بہت پہلے وضع المیزان (میزان رکھی گئی) ہوچکی تھی۔ اس لئے قرآن کو میزان قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔

④ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ میزان (ترازو) کا کام کسی شے کو صرف تولنا اور اس کا وزن بتانا ہوتا ہے، اس کا کام اچھی اور بُری یا اصلی اور نقلی چیز میں فرق و امتیاز کرنا نہیں ہوتا۔ آپ اصلی اور نقلی سونے کو تول کر اُن کا وزن معلوم کرسکتے ہیں مگر میزان کے ذریعے سونے کے اصلی یا نقلی ہونے کا پتہ نہیں چلاسکتے۔ میزان کا کام تولنا ہے، وہ کھری چیز کو بھی تولے گی اور کھوٹی چیز کو بھی تولے گی، وہ حلال شے کو بھی تولے گی اور حرام شے کو بھی تولے گی مگر وہ کھری اور کھوٹی چیز میں یا حلال اور حرام شے میں امتیاز نہیں کرسکے گی۔

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب وہ قرآن کو 'میزان' قرار دیتے ہیں تو وہ گویا قرآن کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ گویا نعوذ باللہ قرآنِ مجید ایک ایسی میزان ہے جو اس لئے نازل ہوئی تاکہ لوگ اس کے ذریعے سے ہر طیب، نجس، پاک اور ناپاک چیز کو تول کر اس کا وزن معلوم کرلیا کریں۔

⑤ دراصل غامدی صاحب کے لئے قرآن کو 'میزان' کہنا ایک 'ضرورت' ہے تاکہ وہ اس کی آڑ میں آسانی سے جس حدیث کا جب چاہیں، یہ کہہ کر انکار کردیں کہ یہ تو قرآن کی 'میزان' پر تولنے کے بعد 'باطل' ثابت ہوئی ہے لہٰذا اسے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔ یاد رہے کہ غامدی صاحب اپنی اس 'میزان' کے حربے سے بالفعل بہت سی احادیثِ صحیحہ کا انکار کرچکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن میزان ہے ایک بالکل بے اصل بات ہے۔

www.KitaboSunnat.com

البتہ غامدی صاحب نے اپنی کتاب کا نام 'میزان' ضرور رکھا ہے، گویا اُنہیں یہ اِدعا ضرور ہے کہ ان کی یہ کتاب ایک میزانِ عدل کی حیثیت رکھتی ہے۔ایک طرف تو وہ یہ حیثیت قرآن کو دیتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنی تصنیف کو بھی اسی شان سے متصف ٹھہراتے ہیں!!

① کبھی صرف قرآن میزان ہے تو کبھی سنت بھی میزان!

غامدی صاحب کبھی صرف قرآن کو میزان قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کے ساتھ سنت کو بھی میزان ٹھہراتے ہیں۔کبھی ایک میزان اور کبھی دو میزانیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

''قرآن میزان ہے..... چنانچہ تولنے کے لئے یہی ہے۔اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر اسے تولا جاسکے۔'' (میزان:ص۲۲،طبع دوم اپریل۲۰۰۲ء)

''ہر چیز اب اسی میزان (قرآن) پر تولی جائے گی۔'' (میزان: حصہ اوّل،ص۱۴۰،طبع ۱۹۸۵ء)

مگر دوسرے موقع پر صرف قرآن ہی میزان نہ رہا بلکہ قرآن کے ساتھ سنت بھی میزان بن گئی۔ پہلے ایک میزان تھی، اب دو ہوگئیں اور تضاد بالکل واضح ہوگیا۔ چنانچہ 'اشراق' جس کے مدیر غامدی صاحب ہیں، میں یہ اشتہار عرصے تک چھپتا رہا کہ

''قاری محترم ! اشراق ایک تحریک ہے، علمی تحریک .....فکر ونظر کو قرآن وسنت کی میزان میں تولنے کی تحریک.....'' (ماہنامہ اشراق، بابت اپریل تا دسمبر۱۹۹۱ء)

اس طرح غامدی صاحب ایک طرف صرف قرآن کو میزان قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف سنت کو بھی میزان مانتے ہیں اور یہ چیز اُن کے ہاں کھلے تضاد کی صورت میں موجود ہے!

اشتہار مناظرہ بھی لگائیں اور مجریہا وغیرہ کی غلطی بھی

www.KitaboSunnat.com

نقد ونظر

ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق زاہد

مسئلہ تراویح اور سعودی علماء

مکہ مکرمہ کی مسجدِ حرام میں ۲۰ تراویح کے بارے میں اکثر وبیشتر سوال کیا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی سنت آٹھ سے زیادہ تراویح نہیں ہیں، تو پھر بیت اللہ میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا۔ ایک طرف سعودی عرب کی تمام مساجد میں جو اکثر وبیشتر حکومت کے ہی زیرنگرانی ہیں، آٹھ تراویح پڑھی جاتی ہیں، پھر بیت اللہ میں کیوں ۲۰ تراویح پڑھائی جاتی ہیں؟ تراویح کے بارے میں سعودی عرب کے جید علما کا موقف کیا ہے؟ زیر نظر مضمون میں اسی مسئلہ کو زیر بحث بنایا گیا ہے۔ ح م

① صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسے تھی؟ تو اُنہوں نے جواباً کہا:

"ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدٰى عشرة ركعة"

(صحیح بخاری:۲۰۱۳)

''رسول اللہ ﷺ رمضان میں اور دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔''

② حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے، اگلی رات آئی تو ہم جمع ہوگئے، اور ہمیں امید تھی کہ آپؐ گھر سے باہر نکلیں گے لیکن ہم صبح تک انتظار کرتے رہ گئے۔ پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں بات کی تو آپؐ نے فرمایا: مجھے خطرہ تھا کہ کہیں تم پر فرض نہ کردیا جائے۔''

(صحیح ابن خزیمہ:۱۰۷۰، ابن حبان ۲۴۰۱، ابویعلی ۳/۳۳۶، صحیح بخاری ۲۰۱۲)

اس حدیث کی سند کو شیخ البانیؒ نے تخریج صحیح ابن خزیمہ میں حسن قرار دیا ہے، اس کے راوی عیسیٰ بن جاریہ پر کچھ محدثین نے جرح کی ہے جو مبہم ہے، اور اس کے مقابلے میں ابوزرعہؒ اور ابن حبانؒ نے اس کی توثیق کی ہے، لہٰذا اسے جرحِ مبہم پر مقدم کیا جائے گا۔

③ امام مالک نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ ''حضرت عمرؓ نے اُبی بن کعبؓ

www.KitaboSunnat.com

اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔'' (موطأ: ۱/۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ

① رسول اللہ ﷺ کی رمضان اور دیگر مہینوں میں رات کی نماز گیارہ رکعات تھی۔

② یہی گیارہ رکعات آپ ﷺ نے رمضان میں صحابہ کرامؓ کو بھی باجماعت پڑھائیں۔

③ پھر جب حضرت عمرؓ نے نمازِ تراویح کے لئے لوگوں کو جمع کیا، تو اُنہوں نے بھی دو صحابہ کرام اُبی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات ہی پڑھانے کا حکم دیا۔

تراویح ہی ماہِ رمضان میں تہجد ہے

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، آپؐ نے اس دوران ہمیں قیام نہیں کرایا، یہاں تک کہ صرف سات روزے باقی رہ گئے، چنانچہ آپؐ نے ۲۳ کی رات کو ہمارے ساتھ قیام کیا، اور اتنی لمبی قراءت کی کہ ایک تہائی رات گزر گئی، پھر چوبیسویں رات کو آپ ﷺ نے قیام نہیں پڑھایا، پھر پچیسویں رات کو آپؐ نے قیام پڑھایا، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی، پھر چھبیسویں رات گذر گئی اور آپؐ نے قیام نہیں پڑھایا، پھر ستائیسویں رات کو آپؐ نے اتنا لمبا قیام پڑھایا کہ ہمیں سحری فوت ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔'' (سنن ترمذی: ۸۰۶ حسن صحیح، سنن ابی داود: ۱۳۷۵، ابن خزیمہ: ۲۲۰۶)

تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں نمازِ تراویح پر ہی اکتفا کیا اور اس کے بعد نمازِ تہجد نہیں پڑھی، کیونکہ سحری تک تو آپ ﷺ نمازِ تراویح ہی پڑھاتے رہے، اور اگر اس میں اور نمازِ تہجد میں کوئی فرق ہوتا یا دونوں الگ الگ نمازیں ہوتیں تو آپ ﷺ تراویح کے بعد تہجد پڑھتے۔ لہٰذا رمضان میں تراویح ہی نمازِ تہجد ہے، اور عام دنوں میں جسے نمازِ تہجد کہتے ہیں وہی نماز رمضان میں نمازِ تراویح کہلاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے حضرت عائشہؓ کی (پہلی) حدیث کو کتاب التراویح میں روایت کیا ہے، اس لئے اس سے نمازِ تہجد مراد لینا، اور پھر اس میں اور نمازِ تراویح میں فرق کرنا قطعاً درست نہیں۔

کیا حضرت عمرؓ نے بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا؟

ہم نے موطأ اور مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے سائب بن یزید کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ نے اُبی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ امام مالکؒ نے جہاں یہ اثر روایت کیا ہے، اس کے فوراً بعد ایک دوسرا اثر بھی لائے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں کہ یزید بن رومان کا کہنا ہے کہ لوگ عہدِ عمرؓ میں ۲۳ رکعات رمضان میں پڑھا کرتے تھے۔ (موطا:۱/۷۳) لیکن یہ دوسرا اثر منقطع یعنی ضعیف ہے، کیونکہ اس کے راوی یزید بن رومان نے عہدِ عمرؓ کو پایا ہی نہیں، اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو تب بھی پہلا اثر راجح ہوگا کیونکہ اس میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے دو صحابیوں کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا، جبکہ دوسرے اثر میں یہ ہے کہ لوگ عہدِ عمرؓ میں ۲۳ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ تو جس کام کا عمرؓ نے حکم دیا، وہی راجح ہوگا، کیونکہ وہ سنت کے مطابق ہے۔

نوٹ: حضرت عمرؓ کے متعلق بیس تراویح والے تمام آثار ضعیف ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح ثابت نہیں۔

خلاصۂ کلام

گزشتہ مختصر بحث سے معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی صحیح سنت گیارہ رکعات ہے، اور حضرت عمرؓ نے بھی اسی سنت کو زندہ کیا اور گیارہ رکعات کا التزام کیا۔ جہاں تک کچھ ائمہ کرام کا یہ موقف ہے کہ نمازِ تراویح گیارہ سے زیادہ رکعات بھی پڑھی جاسکتی ہے، تو یہ اس بنا پر نہیں کہ زیادہ رکعات سنتِ نبویؐ سے ثابت ہیں، بلکہ محض اس بنا پر کہ چونکہ یہ نماز نفل ہے، اور نفل میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، اس لئے گیارہ سے زیادہ بیس یا اس سے بھی زیادہ رکعات پڑھی جاسکتی ہیں، اور ہمارا خیال ہے کہ کم از کم اتنی بات پر تو سب کا اتفاق ہے، اختلاف صرف اس چیز میں ہے کہ سنت اور افضل کیا ہے؟ تو جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ آپ ﷺ گیارہ رکعات ہی پڑھا کرتے تھے اور رات کی جو نفل نماز عام دنوں میں آپؐ پڑھا کرتے تھے، وہی نماز رمضان میں تراویح کہلاتی ہے، تو یقینی طور پر نمازِ تراویح کے مسئلے میں سنتِ رسول ﷺ گیارہ رکعات ہی ہے، باقی نفل سمجھ کر کوئی شخص اگر گیارہ سے زیادہ پڑھتا ہے تو اس پر کوئی نکیر نہیں ہونی چاہئے، البتہ اسے سنت تصور نہیں کیا جاسکتا، اور اسی موقف

☆ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: محدث کا شمارۂ خاص بابت جون ۲۰۰۵ء

www.KitaboSunnat.com

کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اور سعودی علما نے بھی اختیار کیا ہے۔

مسئلہ تراویح اور سعودی علما

سعودی علما کا مسئلہ تراویح میں بالکل وہی موقف ہے جسے ہم نے مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ ان کی تصریحات حسبِ ذیل ہیں:

❶ شیخ ابن بازؒ

"والأفضل ما كان النبيﷺ يفعله غالبًا وهو أن يقوم بثمان ركعات يسلم من كل ركعتين، ويوتر بثلاث مع الخشوع والطمأنينة وترتيل القراءة، لما ثبت في الصحيحين من عائشة رضى الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ لا يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة....."

(فتاوٰی اللجنة الدائمة ۲۱۲/۷)

''اور افضل وہ ہے جو نبیﷺ اکثر و بیشتر کرتے تھے، اور وہ یہ کہ انسان آٹھ رکعات پڑھے، اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے، پھر تین وتر ادا کرے اور پوری نماز میں خشوع، اطمینان اور ترتیل قرآن ضروری ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپﷺ رمضان اور دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے.....''

❷ سعودی عرب کی فتویٰ کونسل کا فتویٰ

"صلاة التراويح سنة سَنَّها رسول الله ﷺ، وقد دلَّت الأدلة على أنه ﷺ ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة"

(فتاوٰی اللجنة الدائمة : ۷/ ۱۹٤)

''نماز تراویح رسول اللہﷺ کی سنت ہے، اور دلائل یہ بتاتے ہیں کہ آپﷺ رمضان اور اس کے علاوہ پورے سال میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔''

اس فتوے پر چار سعودی علما کے دستخط ہیں:

شیخ عبداللہ بن قعود، شیخ عبداللہ بن غدیان، شیخ عبدالرزاق عفیفی، شیخ ابن باز

❸ شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ

"واختلف السلف الصالح في عدد الركعات في صلاة التراويح والوتر

www.KitaboSunnat.com

معها، فقيل: إحدى وأربعون ركعة، وقيل: تسع وثلاثون، وقيل: تسع وعشرون، وقيل ثلاث وعشرون، وقيل: تسع عشرة، وقيل: ثلاث عشرة، وقيل: إحدى عشرة، وقيل: غير ذلك، وأرجح هذه الأقوال أنها إحدى عشرة أوثلاث عشرة لما في الصحيحين عن عائشة رضى الله عنها..... وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال: كانت صلاة النبي ﷺ ثلاث عشرة ركعة، يعنى من الليل (رواه البخاري) وفي الموطأ عن السائب بن يزيد رضى الله عنه قال: أمر عمر بن الخطاب رضى الله عنه أبي بن كعب وتميم الداري أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة"

(مجالس شهر رمضان: ص۱۹)

''سلف صالحین نے نمازِ تراویح مع نمازِ وتر کی رکعات میں اختلاف کیا ہے، بعض نے اکتالیس، بعض نے اُنتالیس، بعض نے اُنتیس، بعض نے تیئس، بعض نے اُنیس، بعض نے تیرہ اور بعض نے گیارہ رکعات بیان کی ہیں اور بعض نے ان اقوال کے علاوہ دوسری تعداد بھی نقل کی ہے، لیکن ان سب اقوال میں سے سب سے زیادہ راجح گیارہ یا تیرہ رکعات والا قول ہے، کیونکہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضرت عائشہؓ نے گیارہ رکعات بیان کی ہیں، اور بخاری کی ایک اور روایت میں ابن عباسؓ نے تیرہ رکعات ذکر کی ہیں، اور موطأ امام مالک میں سائب بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُبی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما دونوں کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔''

سعودی علماء کے مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ

① یہ علما نمازِ تراویح کی رکعات کے مسئلے میں حضرت عائشہؓ والی حدیث پر اعتماد کرتے ہیں، اور اس میں مذکور گیارہ رکعات سے وہ نمازِ تراویح کی گیارہ رکعات ہی مراد لیتے ہیں۔

② مسئلہ تراویح میں افضل یہ ہے کہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ تعداد رکعات پر عمل کیا جائے، اور وہ ہے: گیارہ رکعات مع وتر

③ سعودی علما اسی بات کے قائل ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی گیارہ رکعات ہی پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

نوٹ: شیخ ابن عثیمینؒ نے جو تیرہ رکعات کا ذکر کیا ہے، دراصل ان میں دو رکعات وہ ہیں جنہیں آپ ﷺ نے ایک دو مرتبہ وتر کے بعد پڑھا تھا، اور علما کا کہنا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ

www.KitaboSunnat.com

رات کے آخری حصے میں وتر پڑھتے تھے اور اس کے بعد فجر کی اذان ہوجاتی تھی، تو شاید آپؐ نے فجر کی دو سنتیں پڑھی تھیں، جنہیں ابن عباسؓ نے رات کی نماز میں شامل سمجھا، یا پھر آپ ﷺ نے وتر کے بعد یہ دو رکعات اس لئے پڑھی تھیں کہ وتر کے بعد بھی نفل نماز پڑھنے کا جواز باقی رہے۔ واللہ اعلم!

سعودی عرب کے ائمہ حرمین شریفین کے متعلق بھی یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ خانۂ کعبہ میں دو امام تراویح پڑھاتے ہیں، ایک دس رکعات پڑھا کر چلا جاتا ہے، پھر دوسرا آتا ہے اور وہ بھی دس رکعات تراویح پڑھاتا ہے، علاوہ ازیں سعودی عرب کی دیگر جمیع مساجد میں آٹھ رکعات ہی پڑھائی جاتی ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ سعودی علما بھی اسی موقف کو مستند سمجھتے ہیں کہ آٹھ تراویح ہی سنت اور افضل ہیں۔

محدث کے شمارۂ جولائی ۲۰۰۷ء میں بعض اغلاط کی تصحیح

- صفحہ نمبر ۱۹ کی سطر نمبر ۵ کا آخری لفظ رحمهم الله پڑھا جائے۔
- صفحہ نمبر ۴۴ کی سطر نمبر ۱۷ میں ولكم التوفيق والسداد پڑھا جائے۔
- صفحہ نمبر ۳ کے حاشیے میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا نام غلطی سے شائع ہوگیا ہے، روزنامہ نوائے وقت کے ایک مضمون سے یہ واقعہ اخذ کیا گیا تھا جو درست نہیں کیونکہ مولانا علی میاں تو ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو وفات پا چکے ہیں۔
- صفحہ نمبر ۲۱ پر اشتہار 'ضرورتِ کتب برائے لائبریری' میں رابطہ کے لئے میاں بشیر احمد شاکر موبائل 0300-4461165 کا اضافہ کرلیں۔

محدث کے شمارۂ اگست ۲۰۰۷ء کے صفحہ نمبر ۱۹ پر قابل اصلاح الفاظ

① مُجْرٰىهَا	ایک متواتر قراءت کے مطابق
② مُجْرَىٰهَا	دوسری متواتر قراءت (تقلیل) کے مطابق
③ مُجْرٖىهَا	تیسری متواتر قراءت (امالہ) کے مطابق
④ مَجْرٖىهَا	چوتھی متواتر قراءت (امالہ، روایتِ حفص) کے مطابق

www.KitaboSunnat.com

خلافت وامارت

ڈاکٹر صہیب حسن☆

مسئلہ بیعت: شرع کی نظر میں!

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیانِ شرعِ متین بابت اس مسئلہ کے، کہ ہندو پاک میں پیرومرشد عوام سے جو بیعت لیتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور یہ بات کہاں تک درست ہے کہ جس کا کوئی پیرومرشد نہ ہو، اس کا پیرومرشد شیطان ہوتا ہے، جیسا کہ عوام میں مشہور ہے؟ براہِ کرام کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

(قاری محمد ایاز الدین، حیدرآباد دکن)

جواب: الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيّد المرسلين محمد وعلى آلهٖ وأصحابه أجمعين

جواباً عرض ہے کہ یہ سوال تفصیلی وضاحت چاہتا ہے جو درج ذیل ہے:

بیعت کا لفظ بیع سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے: سودا کرنا، چاہے یہ سودا مال کا ہو یا کسی اور ذمہ داری کا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ:۱۱۱)

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور کون ہے اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا؟ تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے

☆ سیکرٹری اسلامک شریعہ کونسل، برطانیہ

www.KitaboSunnat.com

معاملہ ٹھہرایا ہے، خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔''

اور اصطلاحاً بیعت اس معاہدے کو کہتے ہیں جو امیر کی اطاعت کے لئے کیا جاتا ہے۔ بیع و شراء میں چونکہ خریدنے والا، بیچنے والے کے ہاتھ میں پیسہ تھماتا ہے اور بیچنے والا مشتری کے ہاتھ میں اس کی خرید کردہ چیز دیتا ہے، اُسی طرح بیعت کرنے والا اپنے امیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کا اقرار کرتا ہے۔

قرآنِ مجید میں تین مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اہل ایمان کی بیعت کا ذکر ہے:

① **عمومی بیعت** ـــــ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح:١٠)

''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ تو جو شخص عہد شکنی کرے، وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔''

② **بیعتِ رضوان** ـــــ جو ٦ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر لی گئی تھی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح:١٨)

''یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے خوش ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کررہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو تھا، اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔''

③ فتح مکہ اور اس کے بعد عورتوں سے خاص طور پر بیعت لی۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الممتحنة:١٢)

www.KitaboSunnat.com

''اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی نیک کام میں تیری حکم عدولی نہ کریں گی تو آپ اُن سے بیعت کرلیا کریں اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے اور معاف کرنے والا ہے۔''

④ **انفرادی بیعت** ــــ عمرو بن العاصؓ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی تو میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے کہا: اپنا دایاں ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں آپ کی بیعت کرسکوں۔ تو آپؐ نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا، لیکن میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپؐ نے کہا: عمرو! کیا ہوا؟ میں نے کہا: میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے کہا: کون سی شرط؟ میں نے کہا کہ اللہ میری مغفرت فرمائیں! تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام لانے سے پچھلے (تمام گناہ) ختم ہوجاتے ہیں اور ایسا ہی ہجرت کرنے اور حج کرنے سے جو کچھ پہلے کیا تھا، سب معاف ہوجاتا ہے؟''

(صحیح مسلم:۱۲۱)

بیعت سے متعلق چند دیگر احادیث بھی ملاحظہ ہوں:

① **حاکم وقت کی اطاعت کا عہد**

عبادۃ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کی:

''آپ کی سمع و اطاعت کریں گے چاہے تنگی کا عالم ہو یا فراخی کا، چاہے پسندیدہ بات ہو یا ناپسندیدہ، چاہے ہمارے اوپر کسی کو ترجیح ہی کیوں نہ دی گئی ہو، اس شرط کے ساتھ کہ ہم صاحبِ امر کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے، اور یہ کہ ہم جہاں کہیں ہوں حق بات کہیں گے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔''

(صحیح بخاری:۷۱۹۹، صحیح مسلم:۱۷۰۹، سنن نسائی:۴۱۶۰)

ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت وہ ہے جو حضور ﷺ نے مدینہ سے آنے والوں سے مقامِ عقبہ (منیٰ) میں لی تھی:

''اور یہ کہ جب محمد ﷺ یثرب آئیں تو ہم ان کی مدد کریں گے اور جس طرح ہم اپنی جانوں،

www.KitaboSunnat.com

اپنی اَرواح اور اپنی اولاد کا دفاع کرتے ہیں، ویسا ہی اُن کا بھی دفاع کریں گے اور ہمارے لئے جنت ہوگی۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۱۸۹/۳)

② یہ اطاعت مشروط ہے:

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک مسلمان کے لیے سمع واطاعت کرنا لازم ہے، چاہے پسندیدہ امر ہو یا ناپسندیدہ امر میں، الا یہ کہ اسے کسی گناہ کا حکم دیا جائے۔ ایسی صورت میں سمع واطاعت نہیں۔'' (صحیح مسلم:۱۸۳۹)

③ ایک امام کی بیعت کے بعد دوسرے امام کی بیعت جائز نہیں: عبداللہ بن عمرو بن العاص آنحضور ﷺ کا ایک طویل خطبہ نقل کرتے ہیں، جس میں یہ الفاظ شامل ہیں:

''جس کسی نے کسی امام کی بیعت کی یا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور اپنا دل اس کے حوالہ کر دیا تو جب تک استطاعت ہے، اس کی اطاعت کرے۔ پھر اگر کوئی دوسرا شخص (امامت میں) اس کے ساتھ نزاع کرے تو دوسرے شخص کی گردن مار دو۔'' (صحیح مسلم:۱۸۴۴)

④ جماعت سے خروج ناجائز ہے:

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص حلقہ اطاعت سے نکل گیا اور جماعت کو چھوڑ گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور جو شخص کسی اندھے جھنڈے کے نیچے قتال کرتا ہے، یا کسی عصبیت کی بنا پر غصہ میں آجاتا ہے یا عصبیت کی طرف دعوت دیتا ہے یا عصبیت کی مدد کرتا ہے اور اس دوران قتل ہو جاتا ہے تو اس کی موت بھی جاہلیت کی موت ہوگی اور جو شخص میری اُمت پر خروج کرتا ہے، نیکو کار یا گناہ گار، سب کو مارتا ہے اور کسی مؤمن کے ساتھ برائی کرنے سے باز نہیں آتا اور جس سے عہد کیا ہے اُس عہد کو پورا نہیں کرتا تو وہ مجھ سے نہیں اور میں اُس سے نہیں۔'' (صحیح مسلم:۱۸۴۸)

⑤ آنحضور ﷺ کے بعد بیعت کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طرزِ عمل تھا۔ نافع روایت کرتے ہیں کہ

''عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے اور یہ وہ وقت تھا جب یزید بن معاویہؓ کے زمانہ میں حرہ کا واقعہ پیش آیا۔ ابن مطیع نے کہا: ''ابوعبدالرحمٰن کے لئے تکیہ بچھا دو۔''

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: میں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا، تمہیں صرف ایک حدیث سنانے آیا

www.KitaboSunnat.com

ہوں، جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اور وہ یہ کہ

''جس نے اپنا ہاتھ، حلقہ اطاعت سے ہٹا لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس عالم میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل (عذر خواہی) نہ ہوگی، اور جو شخص اس عالم میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا'' (صحیح مسلم:۱۸۵۱)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

① اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کسی دوسرے خلیفہ یا امام کی بیعت سے مختلف ہے، اور آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت گویا اللہ سے بیعت ہے۔

آپؐ نے عقبہ میں جب انصارِ مدینہ سے بیعت لی تھی تو گو اس وقت آپؐ کے پاس اقتدار نہ تھا، لیکن بحیثیتِ رسول ﷺ آپؐ نے یہ بیعت لی تھی، اور یہ بھی ایک خاص مقصد کے لئے تھی کہ جب آپ مدینہ پہنچ جائیں گے تو انصار آپؐ کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔

② مدینہ پہنچ کر آپؐ بلاشرکتِ غیرے اقتدار کے مالک تھے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مختلف مواقع پر سمع و اطاعت کی بیعت لی، اور بعض مواقع پر خاص خاص باتوں پر بیعت لی۔ حدیبیہ کے مقام پر جب یہ افواہ پھیلی کہ مکہ والوں نے آپؐ کے ایلچی حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے تو آپؐ نے اپنے پندرہ سو رفقا سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ راہِ فرار اختیار نہ کریں گے اور دوسری روایت کے مطابق یہ بیعت موت پر تھی۔

③ صلح حدیبیہ کے بعد جو خواتین ہجرت کر کے مدینہ آئیں یا فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئیں، اُن سے سورہ الممتحنہ کی آیت کے مطابق چند مخصوص باتوں پر بیعت لی گئی۔ یہ عورتیں چونکہ نئی نئی مسلمان ہوئیں تھیں، اس لئے اُن چیزوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا جو ایامِ جاہلیت میں عام تھیں۔ آپؐ نے تو مسلم مردوں سے بھی انہی باتوں پر بیعت لی تھی۔

④ آنحضور ﷺ کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے اور بعد کے امراء و خلفا کے لئے بھی سمع و اطاعت کی بیعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ گناہ کی طرف بلائیں گے تو ان کی اطاعت نہیں ہوگی۔

⑤ خلیفہ کی بیعت اتنی اہم ہے کہ اگر کوئی دوسرا دعویدارِ خلافت پیدا ہو جائے تو اُس کی

www.KitaboSunnat.com

گردن مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اسلامی مملکت میں بدامنی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب خلیفہ کے پاس مکمل اقتدار ہو، وہ حدود نافذ کرسکتا ہو، جنگ اور صلح کے معاہدے کرسکتا ہو۔

⑥ خلیفہ کے ہوتے ہوئے اس کی اطاعت نہ کرنا اور جماعت سے خروج کرنا قابل مؤاخذہ جرم ہیں اور ایسے آدمی کی موت جاہلیت کی موت ہے اور ایسے ہی اُن لوگوں کی بھی جو کسی مذموم عصبیت (برادری، قومیت، زبان، رنگ اور پارٹی) کی بنا پر قتل وقتال پر آمادہ ہوجائیں۔

بنی اُمیہ کے دور کے بعد جب بنی عباس سریر آرائے خلافت ہوئے، لیکن اندلس جیسے دور دراز علاقہ میں بنی اُمیہ کے امرا نے اپنی حکومت قائم کرلی، تو علماے امت نے فتنہ وفساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے اس بات پر اتفاق کیا کہ ایک وقت میں دور دراز کے علاقوں میں دو علیحدہ علیحدہ خلافتیں ہوسکتی ہیں۔ اور پھر اس اُصول کے تحت، بعد کے ادوار میں، خراسان اور ہندوستان کی مملکتیں بھی برداشت کی گئیں۔

⑦ صحابہ کرامؓ نے اس شخص کی بیعت نہیں کی جس نے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کیا ہو۔

اس تمام تفصیل سے یہ تو واضح ہوگیا کہ بیعت کا دائرہ 'امامتِ کبریٰ' تک محدود ہے، ایسے امام کی بیعت ہی کی جاسکتی ہے جو واقعی اقتدار رکھتا ہو، حدود نافذ کرسکتا ہو، صلح و جنگ کے معاہدے کرسکتا ہو۔ وہ چاہے جہاد پر بیعت لے یا کسی فعل خیر پر یا کسی برائی سے رُکنے پر۔ بیعت لینا اس کا حق ہے، البتہ اگر وہ کسی غیر اسلامی کام پر بیعت لینا چاہے تو اس کی بات ہرگز نہ مانی جائے گی۔

پیر ومرشد کی بیعت

صوفیاے کرام کے حلقہ میں 'بیعتِ اصلاح وارشاد' کے نام سے ایک نئی روایت ڈالی گئی ہے جس کا خیرالقرون میں وجود نہیں ملتا۔ اگر اس فعل کا مقصود لوگوں کی اصلاح ہے تو وہ مسجد کے منبر سے، خطیب کے خطبات سے، معلم کی تعلیم سے اور بڑے بوڑھوں کی فہمائش سے بھی حاصل ہوسکتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر نیک لوگوں کی صحبت اس کام کیلئے ایک نسخہ کیمیا ہے۔

شریعت اپنے ماننے والوں کو کوئی ایسا حکم نہیں دیتی جو غیر ضروری اور بے فائدہ ہو، وہ شیخ

www.KitaboSunnat.com

یا مرشد جسے کوئی اختیار حاصل نہ ہو، اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے آخر کون سا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟ بالفرض اگر ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ لوگوں کی اصلاح کے لئے یہ طریقہ کارگر ہوسکتا ہے، تب بھی مندرجہ ذیل قباحتوں کی بنا پر اسے قبول نہیں کیا جاسکتا:

① ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام:۱۵۳)

''اور یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔ اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

② اور فرمایا: ﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ (آل عمران:۱۰۵)

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

اُمتِ مسلمہ میں ایک طرف مذہبی فرقہ بندی شروع ہوگئی تھی تو دوسری طرف طریقت کے نام پر بے شمار سلسلے وجود میں آگئے اور پھر ہر سلسلہ ایک مستقل فرقہ اور جماعت بنتی گئی۔ نبی ﷺ نے تو ناجی جماعت کی نشانی یہ بتائی تھی:

«ما أنا عليه وأصحابي» ''جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ''

لیکن اس کے بالکل برعکس ہر صاحبِ سلسلہ اور ہر وہ جماعت جو بیعت کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے، اپنے طرزِ عمل سے یہ کہہ رہی ہوتی ہے: "ما أنا عليه وسلسلتي أو حزبي" ''یعنی جس پر میں ہوں اور میرا طریقہ یا میری جماعت۔'' چنانچہ اس سلسلہ یا جماعت کو چھوڑنے کا مطلب ہے کہ گویا وہ شخص اسلام سے خارج ہوگیا ہے۔

یہاں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا ذکر کردہ ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جو ان کے جریدہ 'اہل حدیث' امرتسر کے شمارہ ۱۷/ مارچ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا، لکھتے ہیں:

''یہاں پر ایک واقعہ بلاکم وکاست ناظرین کے سامنے رکھتا ہوں۔ حافظ عزیز الدین صاحب

www.KitaboSunnat.com

مراد آبادی (جو میرے گمان میں مردِ صالح ہیں) مولوی اشرف علی تھانوی کے مرید تھے۔ بعد بیعت آپ مسئلہ تقلید کی تحقیق کر کے مقلد سے غیر مقلد ہوگئے مگر مولانا مرحوم کے حق میں اُنہوں نے کسی قسم کی بدگمانی نہیں کی۔ اس پر بھی مولانا کا ایک پوسٹ کارڈ (جو میں نے بچشم خود دیکھا ہے) موصوف کو پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ غیر مقلد ہوجانے کی وجہ سے میں تم کو اپنے حلقہ بیعت سے خارج کرتا ہوں۔ اب میرا تمہارا پیری مریدی کا تعلق نہیں رہا۔ (اوکما قال) ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' (فتاویٰ ثنائیہ:۱/۳۵۶)

③ شیخ سے بیعت کرنا عذابِ قبر سے چھٹکارا دلاتا ہے، پہلے یہ واقعہ پڑھئے اور پھر تبصرہ ملاحظہ کیجئے:

''شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین احمد نے فرمایا کہ اُن کے دادا پیر شیخ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کی یہ رسم تھی کہ جو کوئی ہمسایہ میں سے اس دنیا سے نقل (انتقال) کرتا، اس کے جنازہ کے ساتھ جاتے اور خلق کے لوٹ جانے کے بعد اس کی قبر پر بیٹھتے اور جو درود، کہ ایسے وقت میں پڑھتے آئے ہیں، پڑھتے۔ پھر وہاں سے آتے۔ چنانچہ اجمیر میں آپ کے ہمسایوں میں سے ایک نے انتقال کیا۔ دستور کے مطابق آپ جنازہ کے ساتھ گئے، جب اُسے دفن کر چکے، خلق لوٹ آئی اور خواجہ وہیں ٹھہر گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ اُٹھے۔ شیخ الاسلام قطب الدین فرماتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ دم بدم آپ کا رنگ متغیر ہوا، پھر اسی وقت برقرار ہوگیا۔ جب آپ وہاں سے کھڑے ہوئے تو فرمایا: الحمدللہ! بیعت بڑی اچھی چیز ہے۔''

شیخ الاسلام قطب الدین اوشی نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب لوگ اس کو دفن کر کے چلے گئے تھے تو میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے آئے اور چاہا کہ اس کو عذاب کریں، اسی وقت شیخ عثمان ہارونی (آپ کے پیر، م۶۳۴ھ) قدس سرہ العزیز حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ شخص میرے مریدوں میں سے ہے۔ جب خواجہ عثمان نے یہ کہا تو فرشتوں کو فرمان ہوا کہ کہو: ''یہ تمہارے برخلاف تھا۔'' خواجہ نے فرمایا: بے شک اگرچہ برخلاف تھا مگر چونکہ اس نے اپنے آپ کو اس فقیر کے پلے باندھا تھا، تو میں نہیں چاہتا کہ اس پر عذاب کیا جائے، فرمان ہوا: اے فرشتو! شیخ کے مرید سے ہاتھ اُٹھاؤ، میں نے اس کو بخش

www.KitaboSunnat.com

دیا۔ پھر شیخ الاسلام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمانے لگے کہ اپنے آپ کو کسی کے پلے باندھنا بہت ہی اچھی چیز ہے۔'' (بحوالہ شریعت وطریقت از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: ص ۳۰۵)

سبحان اللہ! نہ شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہ کتاب وسنت کا کوئی لحاظ، شیخ کی بیعت جنت کا پروانہ ہوگیا۔ اور پھر جس طرح سے یہاں کتاب وسنت کی دھجیاں اُڑائی گئی ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں، اللہ عالم الغیب ہے، لیکن یہاں شیخ عذابِ قبر کا سارا انتظام دیکھ رہے ہیں۔ اللہ کے رسول فرشتہ جبرئیلؑ سے ہم کلام ہوتے تھے، یہاں شیخ عذاب کے فرشتوں سے مجادلہ کررہے ہیں۔ حدیث کے مطابق انبیا اور صلحا کو قیامت کے دن شفاعت کا موقع دیا جائے گا، یہاں عین عذابِ قبر سے پہلے شفاعت کی جارہی ہے جو فوراً ہی اجابت کے مراحل طے کرگئی۔ جس صحیح حدیث میں نبی ﷺ کے دو قبروں پر سے گزرنے، دونوں کو عذابِ قبر ہونے، آپؐ کے ان دونوں قبروں پر ٹہنی لگانے کا واقعہ نقل ہوا ہے اور پھر ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف کا ذکر ہے، اُسے ذرا ذہن میں تازہ کیجئے۔ نبی ﷺ جنہیں الہامِ خداوندی سے دو اشخاص کے عذابِ قبر کے بارے میں بتایا گیا، وہ یقیناً مسلمان تھے، آنحضور ﷺ کی بیعت میں داخل تھے، لیکن اُنہیں تو یہ بیعت کام نہ آئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور بطورِ علامت دو ٹہنیاں بھی لگائیں کہ جن کے خشک ہونے تک دونوں کے عذاب میں تخفیف کی گئی تھی۔

کیا یہ ایک قباحت ہی کافی نہیں کہ جس سے مزعومہ بیعت کی قلعی کھل جاتی ہے؟

④ طریقت اور بیعت چونکہ لازم وملزوم ہیں، چنانچہ اس تعلق سے بھی نئے نئے شگوفے کھلتے رہتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ لکھتے ہیں:

''بیعت کے سلسلہ میں صوفیا نے ایک اور شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اُنہوں نے جب دیکھا کہ اویس قرنی نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا، نہ بیعت کی، تو اُن کی ارواح کی آپس میں بیعت کرادی اور اسے نسبتِ اُویسیہ کا نام دیا اور راستہ کی اس رکاوٹ کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ فلاں شیخ کی فلاں شیخ سے ملاقات ہی ثابت نہیں یا پیر کی وفات کے بہت عرصہ بعد مرید کی پیدائش ہو تو وہ یہی نسبتِ اُویسیہ قائم کرکے اپنا سلسلہ جاری فرما کر

www.KitaboSunnat.com

کام چلا لیتے ہیں۔'' (شریعت وطریقت: ص۴۳۳)

⑤ انہی غلط رسموں کو جائز کرنے کے لئے قرآن وسنت کی نصوص کی ایسی تاویلاتِ فاسدہ کی جاتی ہیں کہ انسان اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں:

محمد بن طاہر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''پھٹے ہوئے کپڑے (مرقعہ) پہننے کے بارے میں شیخ کا مرید پر شرط رکھنا، اور بطورِ دلیل عبادۃ بن صامت کی حدیث پیش کی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم تنگی اور فراخی ہر حال میں سمع واطاعت کریں گے۔''

دیکھئے کیا خوب نکتہ نکالا ہے، کہاں شیخ کا مرید پر مذکورہ شرط رکھنا اور اُسے جوڑنا رسول اللہ ﷺ کی بیعتِ اسلام سے جو کہ نہ صرف لازم ہے بلکہ خود رسول کی اطاعت بھی واجب ہے۔''

(تلبیس ابلیس: ص۱۹۲)

⑥ اگر اُمتِ مسلمہ ایک بڑے جہاز کی مانند ہے تو یہ مختلف فرقے اور طریقے چھوٹی چھوٹی کشتیوں کی مانند ہیں۔شدید طوفان کی صورت میں جہاز تو بچ جاتا ہے، لیکن چھوٹی کشتیاں غرقِ آب ہوجاتی ہیں۔تعجب ہے کہ کتاب وسنت کے جہاز کو چھوڑ کر لوگ ان بجروں (چھوٹی کشتیوں) پر کیوں سوار ہوتے ہیں!؟ جب کہ سمندر میں تلاطم ہی تلاطم ہے اور کشتی کسی وقت بھی ڈوب سکتی ہے۔

قائلین بیعت کے شبہات

اور آخر میں ان چند شبہات کا جائزہ بھی لے لیا جائے جو قائلین بیعت کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں:

① ''تین آدمی بھی سفر کررہے ہوں تو ایک کو امیر بنانے کا حکم ہے، چہ جائیکہ پوری جماعت ہو اور اس کا امیر نہ ہو۔''

سفر میں امیر بنانا تو آنحضور ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے، لیکن وہاں بیعت کا ذکر نہیں ہے، اور یہ امارت سفر کے ختم ہونے کے ساتھ تمام ہوجاتی ہے۔گویا وقتی طور پر نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے ایسے امیر کی اطاعت لازمی قرار دی گئی لیکن اس کا قیاس امامتِ کبریٰ پر نہیں کیا جاسکتا جہاں دوسرے مدعیٔ امارت کو برداشت نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی گردن ماردی جاتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

② ''بیعتِ اصلاح وارشاد کو نماز کی امامت کی طرح سمجھا جائے ،یعنی امامتِ کبریٰ کے ساتھ امامتِ صغریٰ کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔''

امارتِ سفر کی طرح نماز کی امامت بھی نماز کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے۔ جونہی امام نے 'السلام علیکم ورحمتہ اللہ' کہا، مقتدی اور امام کا تعلق ختم ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ خلیفہ وقت کی موجودگی میں کیا صرف ایک ہی نماز باجماعت کا اہتمام کیا جاتا تھا یا ہر علاقے بلکہ ہر محلے کی مسجد میں نماز نہیں ہوتی تھی؟

حضرت معاذؓ بن جبل عشاء کی نماز آنحضور ﷺ کے ساتھ پڑھتے اور پھر عوالی جاکر اہل محلّہ کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ لیکن امامِ وقت یا خلیفہ حاضر سے بیعت کرنے کے بعد کیا ہر شہر یا ہر محلّہ میں جزوی بیعت ہوا کرتی تھی جو ہر مرشد اپنے لئے روا رکھتا ہو؟ کم از کم خیرالقرون کے زمانہ میں تو ایسی بیعت کا نام ونشان نہ تھا۔ قرونِ ثلاثہ (زمانۂ رسولؐ اور زمانۂ صحابہؓ، زمانۂ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ) کے بعد جہاں فرقہ بازی کی بدعت پیدا ہوئی، وہاں تصوف کے سلسلوں کے نام پر مشائخ کے ہاتھ پر بیعت اصلاح وارشاد کا دروازہ بھی کھول دیا گیا۔

③ فرمانِ نبویؐ ہے: ''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں طوقِ بیعت نہ تھا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' (صحیح مسلم:۱۸۵۱)

شریعت کے تمام احکامات استطاعت سے مشروط ہیں۔ ایک شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو لیکن بیت اللہ تک پہنچنے کے تمام راستے مسدود ہوں، چاہے جنگ و جدال کی بنا پر یا کسی دوسرے سبب کی بنا پر، تو ایسے شخص پر حج کرنا واجب نہ ہوگا جب تک کہ راستے کھل نہ جائیں۔ حالانکہ ایسی ہی وعید حج پر نہ جانے والوں کے لئے بھی ہے، ایسے ہی زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، لیکن جس شخص کے پاس اتنا مال ہی نہ ہو کہ جس میں زکوٰۃ واجب ہو تو وہ زکوٰۃ دینے سے مستثنیٰ ہے۔ وضو میں ہاتھ پیر دھونے لازم ہیں، لیکن اگر کسی کا ہاتھ یا پیر کٹا ہوا ہو تو وہ اُسے کیسے دھوئے گا؟

بعینہٖ اگر ایسا خلیفہ موجود ہو جو صاحبِ اقتدار ہو، حدود کو نافذ کرسکتا ہو، صلح و جنگ کے جھنڈے بلند کرسکتا ہو، قرآن وسنت کو نافذ کرسکتا ہو تو جہاں جہاں اس کا اقتدار ہے، وہاں

www.KitaboSunnat.com

وہاں تمام لوگوں پر اس کی بیعت لازم ہے۔ بیعت نہیں کریں گے تو بموجب حدیثِ مذکور جاہلیت کی موت مریں گے۔ لیکن اگر ایسا خلیفہ سرے سے موجود ہی نہ ہو تو پھر بیعت کا محل نہ ہونے کی بنا پر یہ حکم بھی ساقط ہوجائے گا، اور ایسے ہی وہ لوگ جو ایک خلیفہ کے دائرۂ اقتدار سے خارج رہتے ہوں، اُن کے لئے بھی ایسے خلیفہ کی بیعت لازم نہ ہوگی۔

۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کے ختم کئے جانے کے بعد اوّل تو مسلم ممالک پر استعمار کا غلبہ ہوگیا، خود ہندوستان بھی سوڈیڑھ سو سال انگریزی استعمار کا ہراول دستہ بنا رہا، جب خلیفہ ہی نہ رہا تو بیعت کس کے ہاتھ پر کی جاتی؟ مسلم ممالک آزاد ہونا شروع ہوئے تو اکثر نے جمہوری یا آمرانہ نظام اپنایا، بیعت کے اُس طریقہ کو خیر باد کہہ دیا گیا جو اہل حل وعقد کی مشاورت سے منعقد ہوتی ہے، لہٰذا نظامِ بیعت بھی معطل ہوتا چلا گیا۔ اب جہاں جہاں کسی درجے میں بھی ایسا نظام قائم ہو جو کتاب وسنت کو نافذ کرتا ہو، لیکن بادشاہ کی بیعت کے بعد ہی اس کی حکومت کا آغاز ہوتا ہے۔

④ بیعتِ اصلاح وارشاد کا ایک 'عہد نامہ' کی طرح اعتبار کیا جائے تو کیا حرج ہے؟ کیا یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ سلف صالح میں اس کا رواج نہ تھا؟

ابونعیم اصبہانی اپنی کتاب حلیة الأولیاء (۲۰۴/۲) میں اپنی اسناد ذکر کرنے کے بعد مطرف بن عبداللہ بن شخیر (تابعی) کی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم زید بن صوحان کے پاس جایا کرتے تھے جو کہا کرتے تھے:

''اے اللہ کے بندو! اکرام کرو اور (عمل میں) خوبصورتی پیدا کرو! بندے اللہ تک ان دو وسیلوں سے پہنچ سکتے ہیں: خوف اور طمع''

ایک دن ہم ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ (شاگردوں) نے ایک عبارت اس مضمون کی لکھی ہے:

''اللہ ہمارا ربّ ہے، محمد ﷺ ہمارے نبیؐ ہیں، قرآن ہمارا امام ہے، جو ہمارے ساتھ ہوگا، ہم اس کے ساتھ ہیں اور اس کے لئے ہیں۔ جو ہمارے مخالف ہوگا، ہمارا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا اور ہم ایسا ویسا کریں گے۔''

www.KitaboSunnat.com

پھر اُنہوں نے یہ مکتوب لیا اور ہر شخص سے باری باری یہ کہا: اے فلاں! کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو؟ یہاں تک کہ میری باری آ گئی اور اُنہوں نے کہا: اے لڑکے! تم بھی اقرار کرتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگے: اس لڑکے کے بارے میں جلد بازی نہ کرو، پھر مجھ سے پوچھا: بچے! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: اللہ نے اپنی کتاب میں مجھ سے ایک عہد لیا ہے اور میں اس عہد کے بعد کسی اور عہد کا پابند نہیں ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ تمام کے تمام لوگ اس عہد نامے سے رجوع کر گئے، کسی ایک نے بھی اقرار نہ کیا۔ میں نے مطرف سے پوچھا: تمہاری تعداد کیا تھی؟ بولے: ''تیس کے قریب آدمی تھے۔''

(بحوالہ عربی کتابچہ: ''بیعت، سنت و بدعت کے مابین'' از شیخ علی حسن)

امام ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ ایک فتویٰ کے ضمن میں کہتے ہیں:

''اگر لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور بر وتقویٰ پر تعاون کرنے پر جمع ہوں تو بھی ہر شخص دوسرے شخص کے ساتھ ہر بات میں معاون نہ ہوگا بلکہ صرف اس حد تک جہاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوگی، اگر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہو رہی ہو تو وہ ساتھ نہ دے گا، یہ لوگ سچائی، انصاف، احسان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مظلومین کی مدد اور ہر اس کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں۔ وہ نہ ظلم کرنے پر، نہ کسی جاہلی عصبیت پر، نہ ہی خواہشات کی پیروی پر تعاون کریں گے، نہ ہی فرقہ بازی اور اختلاف پر، اور نہ ہی اپنی کمر کے گرد پیٹی باندھ کر کسی شخص کی ہر بات ماننے پر تعاون کریں گے اور نہ ہی کسی ایسے حلف نامے میں شریک ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف ہو۔''

''ان میں سے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنے یا کسی دوسرے کے استاد کی خاطر اپنی کمر کے گرد پیٹی باندھے اور جیسے سوال میں پوچھا گیا ہے، کسی ایک معین شخص کے لئے پیٹی باندھنا یا اس کی طرف نسبت کرنا، جاہلیت کی بدعات میں سے ہے اور ان حلف ناموں کی مانند ہے جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے یا قیس ویمن کی فرقہ بازیوں کی طرح ہے۔ اگر اس کے باندھنے سے مراد بر وتقویٰ پر تعاون ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بغیر کسی ایسے بندھن کے اس

www.KitaboSunnat.com

کا حکم دیا ہے اور اگر اس سے مراد گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون ہے تو وہ ویسے ہی حرام ہے، یعنی اگر اس طرح خیر کا کام کرنا مقصود ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات میں اس کام کی پوری رہنمائی ملتی ہے، استاد کے ساتھ (اس نسبت) کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر برائی مقصود ہے تو اللہ اور اس کے رسول اُسے حرام قرار دے چکے ہیں...

کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی دوسرے شخص سے اپنی ہر بات منوانے پر عہد لے یا اس بات پر کہ جس کا میں دوست ہوں، اس سے دوستی رکھو اور جس کا میں دشمن ہوں، اُس سے دشمنی رکھو، بلکہ ایسا کرنے والا چنگیز خان اور اس کے حواریوں جیسا ہے جو ہر اس شخص کو اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہیں جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہو اور ہر اس شخص کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں جو ان کی مخالفت کرتا ہو، بلکہ اُنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد یاد رکھنا چاہئے کہ اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ اسے وہی کام کرنا ہے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا ہے، ہر اُس چیز کو حرام ٹھہرانا ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ وہ اپنے اساتذہ (ومشائخ) کے حقوق کا ضرور خیال رکھے، لیکن اُتنا جتنا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی کا اُستاد مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے، اگر ظلم کرے تو اس کی ظلم پر اعانت نہ کرے بلکہ اُسے ظلم کرنے سے روکے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم!'' آپؐ سے کہا گیا: مظلوم ہو تو ہم اس کی مدد کرتے ہیں، لیکن ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے ہوگی؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم اُسے ظلم کرنے سے روکو، یہی اس کی مدد ہے۔''

(فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۶/۸ تا ۱۸)

باقی یہ کہنا کہ ''جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر ومرشد شیطان ہے۔'' یہ بات اُس شخص کے لئے تو درست ہے جس نے نبی ﷺ کی اطاعت کا طوق اپنی گردن سے اُتار پھینکا ہو، لیکن وہ شخص جو صرف اپنی نسبت اللہ کے رسولؐ اور اُن کی حدیث کی طرف کرتا ہو، اُسے شیطان کی طرف منسوب کرنا، اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے، "ما أنا عليه وأصحابي" کا تقاضا یہی ہے کہ ہر اُس عمل سے اجتناب کیا جائے جس پر مہر نبوت ثبت نہ ہو اور جسے صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو۔

اللہ تعالیٰ تمام کلمہ گو حضرات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

www.KitaboSunnat.com

سیاست وامارت

حافظ حمزہ الزیادمدنی

بیعت لینے کا جواز کس کے لئے؟

بیعت دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان ایک سودے اور معاہدے کا نام ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان اور مال قربان کرنے کا عہد کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے بدلے میں جنت دینے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ایک جگہ بیعت کے اس مفہوم کو بڑے ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ:۱۱۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ مؤمن بندے اللہ کے رستے میں قتال کرتے ہیں، پس وہ (کافروں کو) قتل کرتے بھی ہیں اور (خود بھی) شہید ہوتے ہیں۔ سچا وعدہ ہے اللہ کے ذمے جو تورات، انجیل اور قرآن میں موجود ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے۔ تم اپنے اس سودے (بیعت) پر خوشخبری حاصل کرو جو کہ تم نے اللہ سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

یہ آیتِ مبارکہ بیعتِ عقبہ ثانیہ (جسے بیعتِ کبریٰ بھی کہتے ہیں) کے بارے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''ونزلت الآية في البيعة الثانية وهي بيعة العقبة الكبرٰى''

''یہ آیتِ مبارکہ بیعت عقبہ ثانیہ (وهي بيعة كبرى) کے بارے میں نازل ہوئی۔''

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں سے براہِ راست ایک معاہدہ کر رہے ہیں اور معاہدے کے وقت فریقین معاہدہ کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے

www.KitaboSunnat.com

بندوں کے درمیان اس معاہدے کے وقت اہل ایمان تو خود موجود ہوتے ہیں جبکہ اللہ کی طرف سے اس کا نمائندہ یعنی نبی ﷺ اس معاہدے میں بالفعل شریک ہوتے ہیں۔

اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں سے یہ معاہدہ کر رہے ہیں کہ اگر وہ اس کے رستے میں اپنی جان اور مال خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بدلے میں جنت دیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا تعین کون کرے گا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے جس میں اس کے مؤمن بندوں کو اپنی جان اور مال کھپانا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت اس بات کا تعین نبی ﷺ ہی کر سکتے تھے، اس لیے کہ بیعت یوں تو بظاہر نبی کریمؐ سے ہوتی ہے لیکن معاہدۂ بیعت میں نبی ﷺ فریق معاہدہ نہیں ہوتے بلکہ معاہدے کے فریقین اللہ تعالیٰ یا عام اہل ایمان ہوتے ہیں جبکہ نبی ﷺ اللہ کی طرف سے ایک نمائندہ بن کر یہ معاہدہ کرتے ہیں اور ایک بندہ مؤمن کے لیے اس مقام کو متعین کرتے ہیں جہاں اس نے اپنی جان اور مال و دولت کو کھپانا ہے۔ اسی بات کو قرآن نے ایک اور انداز سے بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (الفتح:۱۰)

''بلا شبہ جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان سب کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ پس جس نے (اپنا معاہدہ) توڑ دیا تو اس کے توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا اور جو کوئی اللہ سے کیے گئے معاہدے کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو عنقریب اس کا بہت بڑا اجر دیں گے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے نہ کہ نبی ﷺ سے۔ اور جو بیعت کو توڑتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے ایک معاہدے کو توڑتا ہے اور جو بیعت کو پورا کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے ایک معاہدے کو پورا کرتا ہے۔

بیعت اللہ ہی کی کیوں ہوتی ہے؟

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں جو اوپر والی بحث کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے کہ بیعت

www.KitaboSunnat.com

اللہ ہی کی کیوں ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کی کیوں نہیں ہوتی ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بیعت ایک قسم کا سودا ہے اور وہ یہ کہ اگر مؤمن اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں کھپا دیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بدلے میں جنت دے گا۔اب نبی ﷺ اللہ کی مرضی کے بغیر اپنی طرف سے کسی اُمتی سے یہ وعدہ نہیں کر سکتے کہ تم اگر یہ کام کرو گے تو میں تمہیں جنت دوں گا کیونکہ کسی کو جنت دینا یا آخرت میں فوز وفلاح سے ہم کنار کرنا اللہ کے اختیار میں ہی ہے۔جب بیعت جان و مال کے بدلے میں جنت کے سودے کا نام ہے تو یہ بیعت صرف اللہ کی ذات ہی سے ہوسکتی ہے جو کہ جنت کا مالک ہے۔لیکن نبی چونکہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، اس لیے وہ اللہ کی طرف سے بیعت لیتا ہے۔خود اپنی طرف سے نبی جنت یا جہنم کا سودا نہیں کرسکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (آلِ عمران: ۱۲۸)

بلکہ نبی کریم ﷺ نے کافر اور فاسق کے فتویٰ کے باوجود وحی کی نص کے بغیر کسی متعین شخص کو جہنمی یا جنتی کہنے سے منع کیا ہے۔ مذکورہ بالا سورہ توبہ کی آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے سودا کرتے وقت جان کا ذکر پہلے کیا ہے اور مال کا بعد میں، حالانکہ قرآن کا عام اُسلوب یہ ہے کہ مال کا ذکر پہلے ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سے کیے گئے اس معاہدے میں اصل معاہدہ اللہ کے رستے میں جان قربان کرنے کا ہے۔اب بندوں نے اپنی جان کہاں کھپانی ہے یا اس سے بڑھ کر جان کہاں قربان کرنی ہے، اس کا تعین اللہ ہی کر سکتا ہے اور نبی چونکہ اللہ کا براہِ راست نمائندہ ہوتا ہے، اس لیے جان و مال کو اللہ کے رستے میں کھپانے کے لیے نبی ﷺ سے سمع وطاعت کی بیعت ہوتی ہے۔

اُمت کے اعتبار سے آپ ﷺ کی زندگی کے دو پہلو نمایاں ہیں: ایک آپؐ کی زندگی بطورِ نبیؐ کے اور دوسرا آپؐ اُمتِ مسلمہ کے پہلے منتظم یعنی حکمران بھی ہیں۔ جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو نبی ﷺ کی نبوت چونکہ عالمگیر اور تا قیامت دائمی تھی، اس لیے نبوت میں تو نیابت کا کوئی سلسلہ جاری نہ ہوا جبکہ آپؐ کی حکمرانی عارضی تھی، لہٰذا آپؐ کی وفات کے فوراً بعد

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں میں حکمران کا خلا پیدا ہوگیا۔اسلئے مسلمانوں کے معتمد خلیفۃ الرسول ﷺ نے آپؐ کے حکمرانی میں نائبِ رسولؐ کی حیثیت سے اُمتِ مسلمہ کے منتظم کی ذمہ داری سنبھالی۔

آپ ﷺ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ چنانچہ وہی بیعت جو اللہ تعالیٰ سے اس کے براہِ راست نمائندے یعنی نبی ﷺ کے واسطے سے ہوتی تھی، اب اللہ کے نمائندے ﷺ کے نائب☆ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعے سے ہونے لگی۔ یہ نیابت یا خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کو منتقل ہوگئی۔ اب حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے نائب یا خلیفہ کی حیثیت سے بیعت لینے لگ گئے۔حضرت عمرؓ کو ابتدا میں خلیفة خلیفة رسول الله کہاجاتا◉ تھا، پھر بعد میں طوالت سے بچنے کے لیے اُنہوں نے أمیر المؤمنین کا لقب اختیار کرلیا۔اسی طرح یہ خلافت چلتی رہی اور خلفاے اربعہ کے بعد بنواُمیہ اور بنوعباس کے حکمران اہل ایمان سے سمع وطاعت کی بیعت لیتے رہے۔مسلمان حکمرانوں کی یہ بیعت بھی درحقیقت اللہ ہی سے ہوتی تھی لیکن نبی ﷺ کے نائب کے حوالے سے ہوتی تھی کیونکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت اللہ کے نبی ﷺ کے نائب کی ہوتی ہے۔ اس لیے عام اہل ایمان اپنے حکمرانوں کی معروف میں سمع و طاعت کی بیعت کرتے ہیں اوراس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے اپنے سودے کے مطابق جنت کی اُمید رکھتے ہیں۔

ایک سے زائد افراد کی بیعت کا مسئلہ

چونکہ کسی بھی ذات کا اصل نائب ایک ہی ہوتا ہے، اس لیے اگر ایک سے زائد افراد بیعت کا دعویٰ کردیں تو گویاوہ سب نبی کریمؐ کے نائب ہونے کے داعی ہیں اور ان میں ہر ایک اس بات کا مدعی ہے کہ اس کی سمع وطاعت کے بدلے میں اللہ کی طرف سے جنت ملے گی۔اس لیے اگر ایک ہی علاقے اور سرزمین میں ایک سے زائد افراد بیعت لینے کے مدعی

☆ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو خلیفة الله کہہ کر پکارا تو آپ نے اپنے خلیفة الله (اللہ کا خلیفہ) ہونے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:لست خلیفة الله بل أنا خلیفة رسول الله ﷺ (تفسیر قرطبی،طبقات ابن سعد،کنزالعمال: ح ۱۴۰۴۸)

◉ تفسیر آلوسی: ۱۷/۳۳۴.....زیرآیت سورۃ ص:۲۶

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے تو جس کی بیعت پہلے ہو چکی ہوگی، اس کی بیعت کو برقرار رکھا جائے گا اور بعد میں دعویٰ کرنے والے کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ جب مسلمانوں کے ایک ہی علاقے میں ایک سے زائد افراد نبی اکرم ﷺ کے نائب یا خلیفہ ہونے کا دعویٰ کریں گے تو اہل ایمان میں باہمی قتل وغارت گری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ آپ کا ارشاد ہے:

«إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما»

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب إذا بویع لخلیفتین، ح ۱۸۵۳)

''جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو جو اُن میں سے متاخر ہے، اس کو قتل کر دو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت صرف اس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کا نائب ہو اور کسی علاقے ☆ میں اللہ کے رسول کا نائب أمیر المؤمنین یا مسلمانوں کا حکمران ہوتا ہے اور أمیر المؤمنین یا حکمران ایک علاقے میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اگر حکمران کے علاوہ کسی کی بیعت جائز ہوتی تو اللہ کے رسول ﷺ دوسرے خلیفہ کے قتل کا حکم نہ دیتے۔ کیونکہ اصلاً حکمران تو پہلا ہی خلیفہ ہے جبکہ دوسرے نے تو ابھی خلافت کا دعویٰ ہی کیا ہے اور اس کے لیے بیعت لینا شروع کی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو۔

ثابت ہوا کہ بیعتِ سمع و طاعت صرف حکمران کے لیے ہے، اگر تو یہ حکمران عام اہل ایمان کو اللہ کے رستے میں کسی جگہ اپنا جان و مال خرچ کرنے کا حکم دے تو اس کی سمع و طاعت اس معاملے میں واجب ہے اور اس کے بدلے میں اللہ کی طرف سے جنت کی اُمید رکھنی چاہیے۔ آپ کا فرمان ہے:

«وإذا رأيتم من ولاتكم شيئًا تكرهونه فاكرهوا عمله ولا تنزعوا يدًا من طاعة» (صحیح مسلم: ح ۱۸۵۵)

''جب تم اپنے حکمرانوں میں کوئی ناپسندیدہ اَعمال دیکھو تو ان کے ان اعمال کو ناپسند ہی جانو لیکن ان کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔''

☆ کیا مسلمانوں کی الجماعۃ ایک سے زیادہ اور مختلف علاقوں میں ایک سے زیادہ خلیفے ہو سکتے ہیں یا رسول اللہ کے انتظامی نائب ہونے کی حیثیت سے خلیفہ تو ایک ہی ہوتا ہے اور باقی اس سے منسلک ہوتے ہیں؟ یہ مسئلہ مستقل طور پر تفصیل طلب ہے جس پر کتبِ فقہ میں تفصیلی بحث موجود ہے۔

www.KitaboSunnat.com

البتہ اگر مسلمانوں کا کوئی حکمران ان کو کسی ایسی جگہ جان و مال کھپانے کا حکم دے جہاں اللہ تعالیٰ کی معصیت لازم آتی ہو تو اس معاملے میں حکمران کی سمع و طاعت نہیں ہوگی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أَحَبَّ وكَرِهَ إلا أن يؤمر بمعصية فإن أمر بمعصية فلا سمع وطاعة» (صحیح مسلم: ح۱۸۳۹)

''ایک مسلمان پر سمع و طاعت ہر معاملے میں لازمی ہے چاہے وہ اسے پسند ہو یا نہ۔ الا یہ کہ اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے۔ پس اگر کسی مسلمان کو اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر اس پر (حکمران کی) سمع و طاعت واجب نہیں رہتی۔''

معلوم ہوا کہ حکمران کے لیے سمع وطاعت کی بیعت مطلق نہیں ہوتی بلکہ یہ سمع و طاعت معروف (دین وشریعت) کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔

☜ اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ

① معاہدہ بیعت اللہ اور اس کے بندوں کے مابین نبی کریم ﷺ کے توسط سے ہوتا ہے۔

② بعد میں یہ معاہدۂ بیعت نبی کے بطورِ حکمران نائب کی حیثیت سے الجماعة کے امیر یعنی حکمران سے ہوتا ہے۔

③ ایک علاقے میں ایک ہی امیر کی بیعت کی جاسکتی ہے، بعد میں بیعت لینے والے دوسرے امیر کو قتل کر دینا چاہئے۔

④ امیر اگر بعض کام غلط بھی کرے تو ان باتوں کو غلط سمجھنے کے باوجود اس کی اطاعت سے ہاتھ کھینچنا جائز نہیں البتہ معصیت کے کاموں میں خود امیر کی اطاعت کرنا درست نہیں۔

مذکورہ بالا احکام تو الجماعة کے حوالے سے ہیں، البتہ کیا مسلمانوں میں اس کے علاوہ کوئی نظم قائم نہیں کیا جاسکتا اور الجماعة، ایک عام جماعت یا انجمن میں کیا فرق ہے؟ یہ موضوع ابھی وضاحت طلب ہے۔

احادیث میں الجماعة سے مسلمانوں کا نظم اجتماعی ہی مراد ہے!

اَحادیث میں مسلمانوں کو التزامِ جماعت کا جو حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد کوئی محدود

www.KitaboSunnat.com

جماعت یا انجمن نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ملتِ اسلامیہ یا مسلمانوں کا اجتماعی سیاسی نظم ہے۔ کیونکہ جن احادیث میں بھی التزامِ جماعت کا حکم بیان ہوا ہے، ان میں الجماعة یا جماعة المسلمین کے الفاظ سے یہ حکم بیان ہوا ہے۔اور الجماعة ہو یا جماعة المسلمین دونوں ہی عربی گرامر کی رو سے معرفہ ہیں اور ان سے مراد اُمتِ مسلمہ (ملت اسلامیہ) یا مسلمانوں کا اجتماعی سیاسی نظم ہے نہ کہ مسلمانوں کی کوئی محدود جماعت یا انجمن۔مثلاً آپ کا ارشاد ہے:

① «يد الله على الجماعة» (صحیح الجامع الصغیر:۸۰۶۵)

''الجماعة پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔''

اس حدیث میں الجماعة کا لفظ بیان ہوا ہے جس سے مراد ایک خاص جماعت یعنی اُمتِ مسلمہ یا مسلمانوں کا اجتماعی سیاسی نظم ہے،اسی طرح ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

② «وأنا آمركم بخمس، الله أمرني بهن: السمع والطاعة والجهاد والهجرة والجماعة فإنه من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه إلا أن يراجع» (سنن ترمذی: ح۲۸۶۳)

''اور میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے: سمع وطاعت، جہاد وہجرت اور جماعت کا۔ بے شک جو الجماعة سے بالشت برابر بھی دور ہو گیا، اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار دیا سوائے اس کے وہ دوبارہ اس کی طرف رجوع کر لے۔''

اس حدیث میں بھی الجماعة کا لفظ بیان ہوا ہے۔ علاوہ ازیں اس الجماعة سے علیحدگی کو اسلام سے علیحدگی کے مترادف قرار دیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں الجماعة سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی سیاسی نظم ہے نہ کہ کوئی محدود جماعت یا انجمن۔

③ ایک اور حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں:

«تلزم جماعة المسلمين وإمامهم» (صحیح بخاری: ح۳۳۳۸)

''تو لازم پکڑ و مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو۔''

اس حدیث سے بھی کوئی محدود/رجسٹرڈ 'جماعت المسلمین' یا اس کا امام مراد نہیں ہے بلکہ اس سے عام مسلمانوں کی جماعت یعنی اُمتِ مسلمہ اور ان کا امام مراد ہے۔

www.KitaboSunnat.com

④ ایک اور روایت میں آپ کا ارشاد ہے:

«من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات مات ميتة جاهلية» (مسلم:۱۸۴۸)

اس حدیث میں من خرج من الطاعة اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں بھی الجماعة سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی سیاسی نظم ہے اور الجماعة سے نکلنے سے مراد اس اجتماعی نظم کے خلاف بغاوت یا خروج کرنا ہے۔

الجماعة اور ایک محدود تنظیم/انجمن کا نظم

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ احادیثِ مبارکہ میں جو نظم جماعت بیان ہوا ہے وہ الجماعة یا جماعة المسلمین کا نظم ہے اور اس نظم کو اگر ہم دو لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے حدیث ہی کی اصطلاح 'سمع و طاعت' ہے یعنی عام مسلمان اپنے امیر کی بات سنیں گے اور پھر اس کی اطاعت کریں گے۔ مسلمانوں کے امیر کی یہ سمع و طاعت سوائے اللہ کی معصیت یا نافرمانی کے کاموں کے ہر معاملے میں ہوگی، چاہے مامورین اسے پسند کریں یا ناپسند۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«ولو استعمل عليكم عبد يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا»

''اگر تمہارے اوپر کوئی غلام بھی حکمران بنا دیا جائے جو کتاب اللہ سے تمہاری رہنمائی کرے تو تم اس کی سمع و طاعت کرو۔'' (صحیح مسلم: ح ۱۸۳۷)

قرآن و سنت نے ہمیں الجماعة کے التزام کا حکم دیا ہے جس سے مراد اُمتِ مسلمہ ہے یا مسلمانوں کا سیاسی اجتماعی نظم ہے اور اسی الجماعة کے التزام کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اس وقت مسلم معاشروں میں الجماعة کے علاوہ بھی بہت سی محدود مذہبی جماعتیں یا انجمنیں پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک ان محدود جماعتوں یا انجمنوں کے قائم کرنے کا مسئلہ ہے تو حالات کے تحت ان جماعتوں کے بنانے اور ان کے التزام کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

الجماعة کے امام کی نااہلی کی صورتیں

اس وقت مسلمانوں کی الجماعة تو موجود ہے لیکن اس الجماعة کا مطلوب امام موجود

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے کیونکہ جو اس وقت مسلمانوں کے نام نہاد عام حکمران موجود ہیں وہ امامت کی بنیادی اہلیت پر پورا نہیں اُترتے۔آپ کا ارشاد ہے:

① «خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم ويصلون عليكم ويصلون عليهم وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم». قيل يا رسول الله! أفلا ننابذهم بالسيف؟ فقال: «لا. ما أقاموا فيكم الصلاة» (صحیح مسلم: ح۱۸۵۵)

''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے، تم ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے۔ اور تمہارے بدترین حکمرن وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ان کو تلوار سے ہٹا نہ دیں تو آپ نے فرمایا: تمہیں ایسا کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کا نظم قائم کرتے رہیں۔''

یہ حدیث اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ اگر حکمران خود نماز کا پابند نہ ہو یا مسلمانوں میں نماز کا نظم قائم نہ کرے تو مسلمانوں کی امامت کا اہل نہیں ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس امام کو معزول کر دیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

② أجمع العلماء على أن الإمامة لاتنعقد للكافر وعلى أنه طرأ عليه الكفر انعزل قال وكذا لو ترك إقامة الصلوات و الدعاء اليه

(شرح نووی: ۳۱۴/۶)

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر کبھی مسلمانوں کا امام (حکمران) نہیں بن سکتا اور اگر کوئی مسلمان امام کافر ہو جائے تو وہ امامت سے معزول ہو جائے گا اور اسی طرح اگر وہ نماز قائم کرنا اور اس کی طرف لوگوں کو بلانا چھوڑ دے تو پھر بھی معزول ہو جائے گا۔''

③ ایک دوسری روایت میں ایسے امام کے لیے جو امامت کا اہل نہیں ہے، 'کفر بواح' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں:

فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا وأثرة علينا وأن لا ننازع الأمر أهله «إلا أن تروا كفرا

www.KitaboSunnat.com

بواحا عندكم من الله فيه برهان» (صحیح مسلم:ح۱۷۰۹)

''ہم سے جو معاہدۂ بیعت لیا گیا، ان اُمور میں ایک یہ تھا کہ ہم نے ہر حال میں سمع و طاعت کی بیعت کرنا ہے ہم پسند کریں یا ناپسند، تنگی میں رہیں یا آسانی میں۔ چاہے ہمارے اوپر کسی دوسرے کو ترجیح دی جائے۔ اور ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہم اپنے امرا سے جھگڑا نہیں کریں گے، سوائے اس کے کوئی امیر صریح کفر کا مرتکب ہو، اس کے کفر پر کوئی واضح دلیل ہمارے پاس موجود ہو جسے ہم اللہ کے ہاں پیش کرسکیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حکمران دین اسلام کی بنیادی تعلیمات (جنہیں ضروریاتِ دین کہتے ہیں) میں سے قرآن وسنت میں موجود کسی ایسی صریح یا واضح تعلیم کا انکار کر دے کہ جس میں مناسب تاویل کی گنجائش موجود نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی امامت کا اہل نہیں رہتا۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

فلو طرأ عليه الكفر وتغير الشرع أو بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصب إمام عادل إن أمكنهم ذلك (شرح نووی صحیح مسلم:۳۱۴/۶)

''پس اگر حکمران کافر ہو جائے یا شریعت کو تبدیل کر دے یا کسی بدعت کا مرتکب ہو تو وہ مسلمانوں کی حکمرانی سے محروم ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس کی اطاعت باقی نہیں رہتی بلکہ مسلمانوں پر یہ واجب ہوجاتا ہے کہ وہ اس حکمران کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک عادل امام (حکمران) کو لے کر آئیں بشرطیکہ وہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

شرعاً موزوں امام کے حصول کے لئے جدوجہد

لہٰذا مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنا کوئی ایسا امام مقرر کریں جو امامت کی بنیادی شرائط پر پورا اُترتا ہو۔ اگر اس امام کے تقرر کے لیے کسی اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے تو تنظیم بھی بنائی جاسکتی ہے۔ اس غرض سے تنظیم بنانے اور اس میں شمولیت کا حکم فرضِ کفایہ کا ہوگا کیونکہ اگر امام کی تقرری کسی اجتماعی جدوجہد کے بغیر ممکن ہی نہ ہو تو پھر اس جماعت کا بنانا فقہی اُصول مالا یتم الواجب إلا به فهو واجب کے تحت فرضِ کفایہ ہوگا اور ایسی جماعت

www.KitaboSunnat.com

سے تعاون کا حکم بھی وجوبِ کفایہ کے درجے میں ہوگا تاکہ اس محدود وعارضی تنظیم کی جدوجہد کے نتیجے میں جماعت المسلمین کا ایسا امام مقرر ہو سکے جو امامت کی شرائط پر پورا اُترتا ہواور جب اُمتِ مسلمہ اس کی قیادت پر مطمئن ہو جائے تو یہ امامتِ کبریٰ کا مقام حاصل کر لے گی۔تب اس امام کی بیعتِ سمع وطاعت بھی ہوگی تاکہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان تلزم جماعة المسلمين وإمامهم پر عمل ہو سکے۔

☜ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ تمدنی ارتقا کے نتیجہ میں جدید معاشروں میں کچھ ایسی سیاسی اور معاشرتی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئی ہیں جن کے نتیجے میں عصر حاضر میں امام کا مقام انفرادی کی بجائے ایک سیاسی اجتماعیت کو دے دیا گیا ہے جسے 'ریاست' کہتے ہیں۔اس عرف کی شرعی حیثیت سے قطع نظر ریاست کے نظم ونسق کی اساس آئین ودستور کو حاصل ہوتی ہے، کیونکہ صدارتی نظام ہو یا پارلیمانی کسی ملک کا صدر یا وزیراعظم عارضی ہوتا ہے اور وہ نظم ونسق کے لیے ریاست کے آئین ہی کا پابند ہوتا ہے۔اس لیے اگر کسی ریاست کا آئین یا دستور دین وشریعت سے آزاد ہوگا تو فرد کی بجائے ریاست غیر اسلامی ہوگی اور اس کے خلاف خروج جائز ہوگا۔البتہ اگر کسی ریاست کا آئین ودستور اسلامی ہوگا تو وہ ریاست اسلامی کہلائے گی اور اس کے خلاف خروج یا مسلح بغاوت جائز نہیں ہوگی۔

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی ریاست کا دستور وآئین تو اسلامی ہو لیکن اس کے حکمران کافر کی بجائے فاسق و فاجر ہوں تو ایسی صورت میں ان حکمرانوں کو ہٹانے کی جدوجہد آئینی طریقہ سے کی جائے گی تاکہ عادل ومنصف حکمران برسر اقتدار آئیں اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق بنائے گئے آئین کی روشنی میں ریاست کے داخلی و خارجی معاملات کو چلائیں۔

☜ ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامتِ کبریٰ کے قیام کی غرض سے یا کسی چھوٹی سطح پر سماجی بہبود یا فکری اصلاح کے مقاصد سے جو ادارے، انجمنیں یا اسی طرح کی دیگر تنظیمیں محدود مقاصد کے لیے بنائی جاتی ہیں، ان کا نظم ونسق کیا اُسی انداز کا ہوگا جو احادیث میں الجماعة کا نظم بیان ہوا ہے۔اس مسئلے کی کافی تفصیل ہے اور علمائے اسلام کی آرا بھی مختلف

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔جو لوگ امامتِ کبریٰ ہو یا صغریٰ کے لیے شرع میں اُصولی تعلیمات اور طریق کار کی پابندی کے قائل ہیں، وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر نظم کا اساسی نظام شریعت نے ایک ہی رکھا ہے لہٰذا ان اُصولوں اور مناہج کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔البتہ جہاں امامتِ صغریٰ یا کبریٰ کا معاملہ نہ ہو بلکہ فکری، علمی اور رفاہی قسم کی سماجی انجمنیں تشکیل دیتے ہوئے اگر بعض جدید تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے معاملات کو وقتی طور پر انجام دینے کے لیے جدید نظاموں سے کچھ طریقے لے لیے جائیں تو ہماری رائے میں اس پر زیادہ سخت رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔دراصل یہ بحث 'مصالح مرسلہ' کی ہے۔اس ضمن میں 'مصالح مرسلہ' کے بارے میں فقہاے اسلام کے اختلافی نقطہ ہاے نظر کے مطابق کسی وقت مناسب بحث پیش کی جاسکتی ہے۔اِن شاء اللہ.....تاہم امامتِ کبریٰ میں تلزم جماعة المسلمين وإمامهم کے تحت شرعی نظم کے وجوب پر علماے اسلام متفق ہیں۔

ہم اس وقت امارتِ صغریٰ کے اختلافی شرعی نظام کی بحث چھوڑتے ہوئے صرف ایک مسئلہ پر کچھ کہنا چاہتے ہیں کہ نظام کچھ بھی ہو، پہلی بات یہ ہے کہ محدود جماعت یا انجمن کے امیر کی سمع و طاعت تو ہوگی جیسا کہ نماز کے امام کی اقتدا ہوتی ہے جو محدود جماعت کا امام بھی ہوتا ہے اور اس کی سمع واطاعت بھی ضروری ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ کوئی عارضی جماعت یا انجمن اپنی رکنیت کے لیے بیعت کے بغیر حلف نامہ یا معاہدہ کے ذریعے اپنے ارکان کو پابند بنا سکتی ہے کہ وہ اس جماعت یا انجمن کے امیر کی سمع و طاعت ہر صورت کریں گے۔کسی بھی نظم کی پابندی ہر تنظیم میں ہوتی ہی ہے اور شریعت کی رو سے کسی بھی جماعت یا ادارہ سے ایسا معاہدہ اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ اس سے کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔البتہ یہ چیز ملحوظ رکھی جائے کہ سمع وطاعت کا معاہدہ افراد کے لیے الگ ہوتا ہے اور اداروں کے لیے الگ۔اداروں کی انجمنیں دستور وضوابط وضع کر کے اپنے ارکان اور عہدہ داران کے لیے ضوابط بنا لیتی ہیں پھر افراد کے بجائے سب کے لیے ان ضوابط کی پابندی ہوتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

بیعت اور نظم جماعت میں فرق

نظم جماعت اور بیعت میں فرق ہے مثلاً الجماعة کا نظم جماعت تو امیر کی 'سمع وطاعت' ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے لیکن نبی ﷺ یا ان کا نائب (خلیفہ) اس نظم جماعت کی پابندی کروانے کے لیے اپنے مامورین سے ایک خاص طریقے سے جو وعدہ لیتا ہے، وہ بیعت کہلاتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مسلمانوں کے باہمی معاہدات اور بیعت میں بھی فرق ہے، ایک عام معاہدہ تو کوئی مسلمان کسی سے کسی وقت بھی کرسکتا ہے جب تک کہ وہ قرآن وسنت کے منافی نہ ہو یا اس سے مسلمانوں کے امام سے کیے گئے وعدے یعنی بیعت کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو، لیکن معاہدۂ بیعت ذاتی قسم کے تمام باہمی معاہدات سے بلند تر جان ومال کے سودے کی صورت ہوتی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے:

فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعُسرنا ويُسرنا وأثرة علينا وأن لا ننازع الأمر أهله إلا أن تروا كفرًا بواحا عندكم من الله فيه برهان (صحیح مسلم:۱۷۰۹)

''ہم سے جو معاہدے لیے گئے، ان میں ایک یہ تھا کہ ہم نے ہر حال میں سمع و طاعت کی بیعت کی، چاہے ہم پسند کریں یا ناپسند؛ تنگی میں ہوں یا آسانی میں، چاہے ہمارے اوپر کسی دوسرے کو ترجیح دی جائے، اور ہم نے اس بات پر بیعت کی کہ ہم اپنے اُمرا سے جھگڑا نہیں کریں گے سوائے اس کے کوئی امیر صریح کفر کا مرتکب ہو اور اس کے کفر پر کوئی واضح دلیل ہمارے پاس موجود ہو جسے ہم اللہ کے ہاں پیش کرسکیں۔''

اس روایت میں الجماعة کا جو نظم بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خوشی ہو یا ناراضگی، تنگی ہو یا آسانی، ہر حال میں امیر کی اطاعت کی جائے گی اور اس سے کسی معاملے میں بھی جھگڑا نہیں کیا جائے گا۔ یہ نظم جماعت جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں الجماعة کے علاوہ کسی محدود جماعت یا انجمن کے لیے بھی اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن اس نظم پر عمل پیرا ہونے کے لیے اللہ کے نبی ﷺ یا ان کے خلفا نے جو بیعت لی ہے، وہ بیعت کسی محدود جماعت کا امیر یا انجمن کا صدر نہیں لے سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیعت صرف الجماعة کے امام کے لیے خاص ہے

www.KitaboSunnat.com

یا وہ شخص لے سکتا ہے جو کسی خاص علاقے میں الجماعۃ کے امام ہونے کا دعویٰ کرے جیسا کہ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، سید احمد شہید بریلویؒ اور ملا محمد عمر نے بیعت لی تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امامتِ صغریٰ مثلاً نماز کا امام یا کسی عارضی و محدود جماعت مثلاً سفری جماعت کے امیر کے لیے احادیث میں سمع و طاعت کا ذکر تو ملتا ہے لیکن ایسے امام یا امیر کے لیے بیعت ثابت نہیں ہے۔ مثلاً سفر کی حالت میں جو جماعت بنتی ہے، اس کے امیر کی سمع و طاعت تو ہوتی ہے لیکن بیعت نہیں ہوتی۔ اسی طرح نماز کا جو امام ہوتا ہے، اس کی اقتدا تو ہوتی ہے لیکن بیعت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر میں کسی بھی ادارے میں ملازمت کرنے والا فرد ایک معاہدۂ ملازمت پر عمل درآمد کرتے ہوئے اپنے افسر (Boss) کی سمع و طاعت تو کرتا ہے، لیکن اس کی بیعت نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر محدود مقاصد کے لیے بننے والی جماعتوں اور انجمنوں کے اُمرا بھی بیعت لینا شروع کر دیں گے تو پھر اسلامی معاشرے میں بہت سی ایسی جماعتیں وجود پذیر ہوں گی کہ جن کے اراکین اپنے امرا سے بذریعہ بیعت یہ معاہدہ کر رہے ہوں گے کہ وقت آنے پر وہ اپنے امیر کے حکم پر اپنی جان اور مال قربان کریں گے اور ان کے اُمرا جواباً ان کو سورۃ توبہ کی آیات سنا کر جنت کے ٹکٹ بانٹ رہے ہوں گے اور یہ جماعتیں آپس میں ایک دوسرے سے بھی لڑ رہی ہوں گی۔

اسی لیے اللہ کے نبی ﷺ نے ایک علاقے میں ایک سے زائد افراد کی بیعت سے منع کیا ہے اور یہ حکم دیا کہ پہلے کی بیعت کو برقرار رکھا جائے اور بیعت کے دوسرے مدعی کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس آپ نے ایک ہی علاقے میں الجماعۃ کے علاوہ ایک سے زائد محدود یا عارضی جماعتوں کے وجود اور ان کے نظم امارت سے منع نہیں کیا☆ جیسا کہ ایک حدیث

☆ الجماعۃ کے تحت محدود تنظیموں کا مسئلہ کئی پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر وہ تابع امیر یا گروہ ہو تو وہ الجماعۃ کے نظم کا ہی حصہ ہوگا اور اگر وہ محدود فکری اور رفاہی انجمنوں (NGOs) کی شکل ہوگی کہ اس کے لیے بنیادی اجازت اور نظم کی تشکیل بھی الجماعۃ کے نظم کے تابع ہوگی تو پھر بھی معاملہ وہی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں أميري کے الفاظ خلیفہ کے تابع امیر کا مفہوم پیش کر رہے ہیں۔ البتہ تمدنی ارتقا نے جو مختلف نظاموں کو دنیا کے سامنے رکھا ہے، اس میں سیاسی جماعتوں کا وجود شرعی طور پر غور طلب ہے جس کے لیے ایک مستقل مقالے کی ضرورت ہے۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

کے الفاظ ہیں:

من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله ومن أطاع أميري فقد أطاعني ومن عصٰى أميري فقد عصاني (صحیح مسلم:۱۸۳۵)

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

غور طلب بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے زمانے میں دعوت وتبلیغ یا جہاد وقتال کے لیے مختلف لشکر بھیجتے یا کسی علاقے کی طرف کسی صحابی کو گورنر بنا کر بھیجتے تھے تو ان لشکروں کے اُمرا یا علاقوں کے گورنروں کی سمع و طاعت تو ہوتی تھی لیکن ان کی بیعت نہ ہوتی تھی کیونکہ بیعت تو صرف امام کی ہے اور امام ایک علاقے میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر ان گورنروں نے بیعت لینی بھی ہوتی تھی تو اپنے امام یا امیر المؤمنین کی بیعت لیتے تھے، جیسا کہ تاریخی آثار وکتب سے واضح ہوتا ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

إذا خرج ثلثة في سفر فليؤمروا أحدهم (سنن ابوداؤد:۲۶۰۹)

''جب بھی تین افراد کسی سفر میں نکلیں تو اُنہیں چاہیے کہ وہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔''

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہر حال میں جماعتی زندگی کو پسند کرتا ہے، اگر کسی جگہ مسلمانوں کا بڑا نظم امارت خود کنٹرول نہ کر رہا ہو مثلاً سفر کی حالت تو وہاں مسلمانوں کو عارضی نظم امارت قائم کر لینا چاہیے۔ اسی طرح کسی ذیلی مخصوص مقصد کے حصول کے لیے بھی جماعت بنائی جا سکتی ہے لیکن سفری یا کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے بنائی جانے والی عارضی جماعت کے امیر کی بیعت نہیں ہوگی، بیعت صرف الجماعۃ کے امیر کی ہوگی۔

اللہ کے رسول ﷺ کی بیعت

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی اُمت سے جتنی بھی بیعتیں لیں، وہ دو طرح کی ہیں: ایک بیعتِ نبوت جس کے مغالطے میں بیعتِ توبہ یا بیعتِ تزکیہ وارشاد کو ہمارے صوفیا نے پیری مریدی کی بیعت کا نام دے رکھا ہے اور دوسری بیعتِ امارت جس کے تابع بعض عسکری

www.KitaboSunnat.com

تنظیمیں بیعتِ جہاد کو داخل کرتی ہیں۔ چونکہ بیعتِ جہاد بیعتِ امارت کا حصہ ہے، اس لیے یہ امیر المؤمنین کی اجازت سے مشروط ہے☆ اور بیعتِ توبہ اور بیعتِ اسلام تو بیعتِ نبوت کا حصہ ہیں۔ جب نبوت دائمی ہے تو بیعتِ توبہ یا بیعتِ اسلام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ بیعتِ نبوت صرف آپ ﷺ کا خاصہ تھا کیونکہ اس بیعت میں آپ کسی سے یہ وعدہ لیتے ہیں کہ وہ اسلام قبول کر کے منکرات کو ترک کرتے ہوئے اپنا تزکیہ اور اصلاح کرے گا جیسا کہ قرآن میں عورتوں کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الممتحنۃ:۱۲)

''اے نبی ﷺ! جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں اس لیے آئیں تاکہ وہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور زنا نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے کوئی بہتان نہیں گھڑ لائیں گی اور معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیں اور ان کے اللہ سے بخشش طلب کریں بلا شبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

چونکہ اللہ کے نبی ﷺ معصوم عن الخطاء ہیں، اس لیے آپ تو اپنے کسی اُمتی سے یہ وعدہ لے سکتے تھے کہ تم فلاں گناہ نہیں کرو گے، فلاں منکر کے قریب بھی نہیں پھٹکو گے اور میری اطاعت کرو گے لیکن ایک عام اُمتی مثلاً کوئی صوفی یا پیر صاحب معصوم نہیں ہوتے، ان سے گناہ کا صدور ممکن بھی ہے اور بہت دفعہ ہوتا بھی ہے تو جو خود گناہ گار ہو، اس کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ دوسرے گناہ گار سے یہ وعدہ لے کہ تم گناہ نہیں کرو گے؟ اگر تو کوئی گناہ گار کسی دوسرے گناہ گار سے، گناہ کے چھوڑنے پر بیعت لے سکتا ہے تو پھر ہر مرید کو بھی پہلے اپنے پیر صاحب سے گناہ نہ کرنے کی بیعت لینی چاہیے جس پر کوئی بھی پیر صاحب کبھی بھی راضی نہ ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جو شخص بھی مسلمانوں سے یہ بیعت لیتا ہے وہ نبی ﷺ

☆ امیر المؤمنین کے بغیر مختلف ٹولیوں کا جہاد کرنا ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے جس کیلئے مستقل مضمون درکار ہے

www.KitaboSunnat.com

کی نبوت میں نیابت کا داعی ہے اور ایسا دعویٰ جائز نہیں ہے۔جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آپؐ نے لوگوں سے دو بیعتیں لی تھیں: ایک بیعتِ امارت اور دوسری بیعتِ نبوت، پہلی بیعت تو صرف مسلمانوں کا خلیفہ ہی عام مسلمانوں سے لے سکتا ہے کیونکہ وہ آپؐ کی وفات کے بعد نظم امارت میں آپ ﷺ کا نائب ہوتا ہے اور آپؐ کے نائب یعنی خلیفہ کے علاوہ کسی کے لیے بھی بیعتِ امارت لینا جائز نہیں ہے جبکہ دوسری بیعت لینا جس کو صوفیا نے بیعتِ توبہ یا ارشاد کا نام دے رکھا ہے، صرف اسی کے لیے جائز ہے جو خود اللہ کا نبیؐ ہو یا آپ ﷺ کی نبوت میں آپؐ کا نائب ہو۔چونکہ آپؐ کی نبوت دائمی ہے لہٰذا امارت کی طرح نبوت میں آپؐ کی نیابت آگے اُمت میں منتقل نہ ہوئی۔اس لیے بیعتِ توبہ یا بیعتِ ارشاد لینا کسی بھی اُمتی کے لیے جائز نہیں ہے۔خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بیعت: بیعتِ نبوت اور امارت دونوں صرف نبی ﷺ کے لیے ہیں البتہ بیعتِ امارت نبیؐ کا خلیفہ (نائب) بھی لے سکتا ہے۔

بیعت لینے والوں کے دلائل کا جائزہ

اب ہم ان احادیث کی طرف آتے ہیں جن کو عام طور پر بعض حضرات بیعتِ امارت کی دلیل کے طور پر بیان کرتے ہیں اور ان روایات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کے نائب (خلیفہ) کے علاوہ کسی عارضی جماعت کے امیر کی بیعت بھی جائز ہے۔خواہ وہ بیعت توبہ وارشاد ہو یا بیعت امارت۔

بعض اہل علم نے بیعتِ عقبہ☆ اُولیٰ اور بیعتِ عقبہ ثانیہ اور ان سے قبل چھ افراد کی بیعت

☆ عَقَبَۃ پہاڑ کی گھاٹی یعنی تنگ پہاڑی گزرگاہ کو کہتے ہیں۔مکہ سے منیٰ آتے جاتے ہوئے منیٰ کے مغربی کنارے پر ایک تنگ پہاڑی راستے سے گزرنا پڑتا تھا۔یہی گزرگاہ عَقَبَہ کے نام سے مشہور ہے۔ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو جس جمرہ کو کنکری ماری جاتی ہے، وہ اسی گزرگاہ کے سرے پر واقع ہے، اس لیے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔اس جمرہ کا دوسرا نام 'جمرۂ کبریٰ' بھی ہے۔باقی دو جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔چونکہ منیٰ کا پورا میدان جہاں حجاج قیام کرتے ہیں، ان تینوں جمرات کے مشرق میں ہے۔اس لیے ساری چہل پہل ادھر ہی رہتی تھی اور کنکریاں مارنے کے بعد اس طرف لوگوں کی آمد ورفت کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔اسی لیے نبی ﷺ نے بیعت کے لیے اس گھاٹی کو منتخب کیا اور اسی مناسبت سے اس کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔اب پہاڑ کاٹ کر یہاں کشادہ سڑکیں نکال لی گئی ہیں۔تاہم ابھی تک ایک ذرّہ نشانی کے طور پر موجود ہے جہاں سے سیڑھیاں نیچے اُترتی ہیں اور منیٰ سے 'شارٹ کٹ' لیتے ہوئے لوگ عزیزیہ شمالی اور جنوبی میں اُتر آتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

سے اس بات کی دلیل پکڑی ہے کہ ایک ایسی جماعت کے امیر کے لیے بھی عام مسلمانوں سے بیعت لینا جائز ہے جو کسی اسلامی ریاست میں خلافت یا امامت کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہی ہو جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ منورہ میں اپنی امامت یا حکومت کے قیام سے پہلے مکہ مکرمہ میں عام مسلمانوں سے بیعت لیتے رہے یا پہلی مرتبہ یثرب (مدینہ منورہ) کے چھ افراد نے عقبہ کے مقام پر بیعت کی تھی جس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیعتِ اسلام تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ کے ان چھ افراد کی اس بیعت کو بیعت عقبہ اُولیٰ شمار نہیں کرتے بلکہ اگلے سال ۱۲/افراد کی بیعت کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہتے ہیں جس کے بعد ۷۳/افراد کی بیعت کو عقبہ ثانیہ سے موسوم کرتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں بیعتیں نبیؐ کے مدینہ منورہ کی سیادت کی تمہید تھیں۔ اس لیے گویا ان دونوں بیعتوں کی بنا پر آپ کو إمام بِالْقُوَّة تسلیم کرلیا گیا۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ جس کا تذکرہ اکثر احادیث میں ملتا ہے، وہ نبوت کے ساتھ امارت کی بیعت بھی ہے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ امارت ہی کی بیعت تھیں جو کہ آپ نے مسلمانوں کے امام ہونے کی حیثیت سے لی تھی اور ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کے امیر یا خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرے اور امارتِ شرعیہ کے قیام کے لیے کوشاں ہو تو وہ اپنی جماعت کے اراکین سے بیعت لے سکتا ہے۔ اس لیے بیعت صرف ایسے فرد کی کی جائے گی جس کا سیاسی اقتدار کسی محدود یا غیر محدود علاقے میں بالفعل یا بالقوۃ قائم ہو جائے

☆ عَقَبَة پہاڑ کی گھاٹی یعنی تنگ پہاڑی گزرگاہ کو کہتے ہیں۔ مکہ سے منیٰ آتے جاتے ہوئے منیٰ کے مغربی کنارے پر ایک تنگ پہاڑی راستے سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہی گزرگاہ عَقَبَہ کے نام سے مشہور ہے۔ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو جس جمرہ کو کنکری ماری جاتی ہے، وہ اسی گزرگاہ کے سرے پر واقع ہے، اس لیے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ اس جمرہ کا دوسرا نام 'جمرۂ کبریٰ' بھی ہے۔ باقی دو جمرے اس سے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں۔ چونکہ منیٰ کا پورا میدان جہاں حجاج قیام کرتے ہیں، ان تینوں جمرات کے مشرق میں ہے۔ اس لیے ساری چہل پہل ادھر ہی رہتی تھی اور کنکریاں مارنے کے بعد اس طرف لوگوں کی آمد ورفت کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بیعت کے لیے اس گھاٹی کو منتخب کیا اور اسی مناسبت سے اس کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔ اب پہاڑ کاٹ کر یہاں کشادہ سڑکیں نکال لی گئی ہیں۔ تاہم ابھی تک ایک ذرّہ نشانی کے طور پر موجود ہے جہاں سے سیڑھیاں نیچے اُترتی ہیں اور منیٰ سے 'شارٹ کٹ' لیتے ہوئے لوگ عزیزیہ شمالی اور جنوبی میں اُتر آتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

اور بالقوۃ اقتدار قائم ہونے کی مثال ہجرت سے قبل آپ ؐ کی بیعتِ عقبہ اولی یا عقبہ ثانیہ ہے۔

بعض اہل علم کو بیعتِ عقبہ اولی اور بیعتِ عقبہ ثانیہ سے یہ مغالطہ لگا کہ کسی ایسی محدود اور عارضی جماعت کا امیر بھی مسلمانوں سے بیعت لے سکتا ہے جو امارتِ شرعیہ یا امامتِ کبریٰ کے قیام کے لیے بنائی گئی ہو۔حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ بعض روایات میں الفاظ ہیں:

فرحل إليه منا سبعون رجلا فوعدناه بيعة العقبة فقلنا: على ما نبايعك؟ فقال: على السمع و الطاعة في النشاط و الكسل وعلى النفقة في العسر و اليسر وعلى الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وعلى أ ن تنصروني إذا قدمت عليكم يثرب فتمنعوني مما تمنعون منه أنفسكم وأزواجكم وأبنائكم ولكم الجنة (فتح الباری مع صحیح بخاری:۲۲۲/۱۱)

''پس (مدینہ سے) اللہ کے رسول ﷺ کی طرف تقریباً ستر افراد نے سفر کیا پس ہم نے اللہ کے نبی ﷺ سے بیعتِ عقبہ کی۔ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا ہم کس چیز پر آپ سے بیعت کریں تو آپ نے فرمایا: ہر حال میں سمع و طاعت پر، چاہے دل آمادہ ہو یا نہ ہو اور اللہ کے رستے میں خرچ کرنے پر بیعت کرو چاہے آسانی ہو یا تنگی ہو اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر بیعت کرو اور اس بات پر کہ جب میں یثرب آؤں گا تو تم میری مدد کرو گے اور تم میرا اس طرح دفاع کرو گے جس طرح تم اپنی جانوں یا بیوی بچوں کا دفاع کرتے ہو اور تمہارے لیے اس کے بدلے میں جنت ہے۔

یہ روایت اس مسئلے میں صریح ہے کہ بیعتِ عقبہ ثانیہ مدینہ میں قائم ہونے والی ریاست کے امیر کی حیثیت سے تھی۔اس لیے اگر کوئی شخص کسی خطہ ارضی میں اپنی امارت میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہو اور اس کے لیے لوگوں سے تعاون حاصل کر رہا ہو تو وہ اپنے متعاونین سے بیعت بھی لے سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ الجماعۃ سے مراد اُمتِ مسلمہ ہے یا کسی خاص علاقے میں مسلمانوں کا اجتماعی سیاسی نظم؟ احادیث میں ہر مسلمان پر الجماعۃ کے التزام کو لازم قرار دیا گیا ہے اور ایک خاص علاقے میں ایک الجماعۃ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسری الجماعۃ

www.KitaboSunnat.com

بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، بالفرض اگر محدود مقاصد کے حصول کی خاطر کوئی محدود جماعت یا انجمن بنائی جاسکتی ہے اور اس محدود جماعت یا انجمن کا نظم الجماعۃ کے نظم کی مانند بھی ہوسکتا ہے یا اس کے علاوہ بھی کوئی ایسا نظم اختیار کیا جا سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے منافی نہ ہو لیکن بیعت جو اللہ تعالیٰ سے ایک سودے یا جان و مال کے معاہدے کا نام ہے وہ الجماعۃ کے امیر کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں الجماعۃ کے امیر آپ بذاتِ خود تھے لہٰذا بیعت بھی آپ کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد الجماعۃ کا امیر مسلمانوں کا خلیفہ ہوتا تھا، لہٰذا بیعت اس خلیفہ کی ہوتی ہے اور اگر یہ خلفا مختلف علاقوں میں ایک سے زائد ہوں جیسا کہ بنو عباس کے دور میں اَندلس میں بنو اُمیہ کی حکومت تھی تو ہر خلیفہ کی اس علاقے کے لوگوں پر بیعت واجب ہے۔ اور اگر ایک ہی علاقے میں ایک سے زائد افراد خلیفہ ہونے کا دعویٰ کریں تو پہلے کی خلافت کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے بیعت کی جائے اور متاخر خلیفہ کو جو مسلمانوں سے اپنی خلافت پر بیعت لے رہا ہو، قتل کر دیا جائے گا۔

اگر صورتِ حال یہ ہو کہ کسی علاقے میں مسلمانوں پر کفار کی حکومت ہو تو اگر کوئی مسلمان کافر کی حکومت کو ختم کرنے اور اپنی امارت قائم کرنے کے لیے جماعت بنائے تو ایسی جماعت کا امیر بھی اپنی جماعت کے اراکین سے بیعت لے سکتا ہے جیسا کہ سید احمد بریلوی شہیدؒ نے بیعت لی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کا کوئی حکمران 'کفر بواح' کا مرتکب ہو یا تارکِ صلاۃ ہو تو کوئی مسلمان اگر ایسے حکمران کی امامت ختم کرنے اور اپنی امامت قائم کرنے کے لیے کوشاں ہو تو ایسا شخص بھی اپنی جماعت کے افراد سے بیعت لے سکتا ہے۔ اس انفرادی امامت پر اس اجتماعی امامت (ریاست) کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے جس کا آئین و دستور اسلامی ہو، لیکن اگر کوئی شخص امارتِ شرعیہ کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہا ہو اور اس کے لیے اس نے کوئی جماعت بنائی ہو اور وہ خود امامت کا مدعی نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے عام مسلمانوں سے بیعت لینا جائز نہیں ہے کیونکہ بیعتِ امارت و جہاد یا تو الجماعۃ کے امام کے لیے ہے یا اس کے لیے جو الجماعۃ کی امامت کے حقدار ہونے کا مدعی ہو جیسا کہ حضرت حسینؓ اور حضرت

www.KitaboSunnat.com

تعلیم وتعلّم

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

وفاق ہائے مدارسِ دینیہ کی خدمت میں چند گزارشات

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی معاشرے میں دینی لحاظ سے اس وقت جتنی رونق اور حرکت نظر آتی ہے، اس کا ایک بڑا ذریعہ اور سبب ہمارے دینی مدارس ہیں جن سے فارغ التحصیل ہونے والے علماے کرام ہماری مساجد کو آباد رکھنے اور معاشرے کی مذہبی رسوم ادا کرنے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ راقم مدارس کے اسی کردار کی وجہ سے ان کا مداح ہے اور ان کے نظام کو بہتر اور خوب تر بنانے کے لئے کوششیں کرتا رہتا ہے۔

ہمارے ادارے نے اہل سنت کے چار وفاقوں کے زعما کی مشاورت اور ان کے تعاون سے پچھلے سالوں میں دینی مدارس کے نصاب کی بہتری اور اساتذہ کی تربیت جیسے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ حال ہی میں ملک کے سب سے بڑے وفاق 'وفاق المدارس العربیہ' میں اختلاف وانتشار کی خبروں سے راقم کو بھی دُکھ پہنچا ہے اور بعض دیگر وفاقوں کے حالات بھی اس کے علم میں ہیں لہٰذا وہ دینی مدارس سے محبت اور خیرخواہی کے جذبے سے، نہ کہ کسی خاص گروہ کی حمایت یا مخالفت کی وجہ سے، اہل مدارس کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو اپنے وفاق سے متعلق ان تجاویز پر عمل کرسکتے ہیں:

① وفاق بنیادی طور پر حکومت سے منظور شدہ ایک تعلیمی امتحانی ادارہ ہے جو ملحقہ مدارس کے طلبا کا امتحان لیتا اور سند جاری کرتا ہے، جس طرح کہ ملک میں جدید تعلیم کے لئے قائم سیکنڈری بورڈ اور یونیورسٹیاں کرتی ہیں۔ صرف امتحانی شعبے کے ایک انتظامی ادارے کی حیثیت سے اُصولاً وفاق کا ملکی سیاست یا دوسرے دینی کاموں، جیسے دعوتِ دین وتبلیغ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور نفاذِ شریعت وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ اگر وفاق چاہیں تو اپنے مستقل مدارس بھی قائم کرسکتے ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک ابھی کسی وفاق نے کوئی ایسا تعلیمی ادارہ قائم نہیں کیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسی وجہ سے وفاق سے ملحقہ مدارس سے تعلق رکھنے والے علما اور طلبا اگر تعلیم وتعلّم کے علاوہ دوسرے دینی شعبوں میں کام کرنا چاہتے ہوں اور مدارس بحیثیتِ آجر☆ کے، اگر اُنہیں اس امر کی اجازت بھی دے دیں تو ان علما وطلبا کو چاہئے کہ وہ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والی جماعتوں اور اداروں کے تحت اور ان کے نام سے ہی کام کریں۔ اس صورت میں کسی دینی مدرسے کا علما اور طلبا کی ان سرگرمیوں سے براہِ راست کوئی قانونی تعلق نہ ہوگا۔ اور مدرسے کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ بحیثیتِ آجر اپنے ملازم علما اور طلبا کو سیاسی، دعوتی، سماجی سرگرمیوں کی اجازت نہ دے۔ ہمارے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ یہ تقسیم کار بہت ضروری ہے ورنہ بڑی خرابیاں پیدا ہوجائیں گی۔

② تعلیم وتعلّم دینی اور دنیاوی لحاظ سے ایک پیشہ ہے اور اس سے وابستہ لوگوں کا رویہ پیشہ ورانہ (پروفیشنل) ہونا چاہئے۔ اسی طرح سیاست بھی آج کل ایک کل وقتی پیشہ ہے اور ایک ایسا پیشہ جس میں اختلاف، کشمکش اور نزاع بہت زیادہ ہے۔ اس لئے وفاقوں کو چاہئے کہ وہ ایک اُصولی فیصلہ کریں کہ ان کا کوئی عہدیدار ایسا عالم دین نہیں ہوگا جو عملاً سیاست دان ہو۔

③ وفاقوں کو یہ فیصلہ بھی کرلینا چاہئے کہ کوئی ایسا شخص کسی وفاق کا عہدیدار نہیں ہوسکتا جو باقاعدہ سند یافتہ عالم دین نہ ہو یا مدرسے کا معلّم یا مہتمم نہ ہو اور نہ وہ کوئی ایسا شخص ہو جس کا اکثر وقت کسی دوسری سرگرمی مثلاً ملازمت یا تجارت وغیرہ میں گزرتا ہو۔

④ وفاق سے ملحق دینی مدارس کا یہ بھی فرض ہے کہ اگر وفاق کے نظم کے مطابق عہدیداروں کا تعین الیکشن سے ہوتا ہو تو وہ اس انتخاب کو سرسری طور پر نہ لیں بلکہ اسے ایک زندہ سرگرمی بنائیں اور باقی اُمور سے قطع نظر صرف اس شخص کو ووٹ دیں جو وفاق کی تعلیمی سرگرمیوں کی دیکھ بھال کرنے کا اہل ہو۔ سن رسیدہ، بیمار یا کسی دوسرے دینی شعبے میں مصروف شخص کو وفاق کا عہدیدار منتخب نہیں کرنا چاہئے۔

⑤ یہ طریقہ اور روایت بھی صحیح نہیں ہے کہ جو شخص کسی وجہ سے ایک دفعہ عہدیدار منتخب

☆ یہاں 'آجر' کا لفظ مفہوم کی وضاحت کے لئے بولا گیا ہے جو مشاہرہ یا خدمت کے معنی میں ہے۔ وگرنہ مدارس کے طلبہ جس نوعیت کا علم حاصل کرتے ہیں، اس کو جنس بازار بنا کر اس کا معاوضہ کرنا ویسے ہی محل نظر ہے۔ نہ ہی اپنے طلبہ کے لئے یہ ہدف مدارس کے منتظمین ومعاونین بلکہ خود طلبہ کے پیش نظر ہوتا ہے۔ ح م

www.KitaboSunnat.com

ہوجائے، پھر از راہِ احترام تا زندگی اُسے ہی منتخب کیا جاتا رہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ قانون بنا دیا جائے کہ کوئی شخص مسلسل دو سے زیادہ دفعہ منتخب نہ ہو، تاکہ ادارے کو نیا خون اور تازہ دم قیادت میسر آتی رہے۔ نظام کی بہتری کے لئے نئے تجربات کئے جاتے رہیں اور اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوششیں جاری رہیں۔

⑥ اگرچہ کسی بھی پیشہ ورانہ ادارے کے قائدین میں صلاحیت کے علاوہ دیانت و امانت اہم کردار ادا کرتے ہیں، تاکہ اِلحاق کرنے والے رکن اداروں کا اعتماد قیادت پر بحال رہے لیکن مدارس کا کام چونکہ دینی نوعیت کا ہے اور علماے کرام معاشرے میں دین کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ وفاق کے عہدیداروں کا اخلاقی معیار اونچا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ کسی وفاق کا کوئی بھی عہدیدار حکومت کے کسی منافع بخش عہدے کو قبول نہ کرے اور نہ وہ حکومتی حلقوں میں اپنے تعلقات بڑھائے تاکہ کسی کو اُس پر اُنگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ اگرچہ پہلے بھی اسلاف اس امر کا لحاظ رکھا کرتے تھے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے قضا کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ تاہم ہمارے عہد میں تو دو مزید خرابیوں نے اس شرط کو بالکل ناگزیر بنا دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ مسلم معاشرے میں عوام اور حکمرانوں میں بُعد ہے۔ عوام اسلام پسند ہیں اور حکمران مغرب پسند یا سپر قوتوں سے وابستہ۔ دوسرے، خفیہ ایجنسیوں کا کردار جو ہر طالبِ علم یا عالم دین کو قابو کرنے کی تگ و دو میں رہتی ہیں تاکہ حکمرانوں اور حکومتوں کے مفادات کا تحفظ ہوسکے۔ اس لئے کوئی حرج نہیں کہ وفاق کے عہدوں کے لئے درکار اہلیت میں قانوناً اس شرط کا اضافہ کردیا جائے کہ وفاق کا کوئی عہدیدار کسی منافع بخش حکومتی عہدے پر متمکن نہ ہو۔

⑦ وفاق کے عہدیداروں کے لئے علم و عمل کی شرائط کی بات ہورہی ہے تو غالباً اس کے لئے عمر کی حد کم از کم چالیس سال بھی مقرر کردینی چاہئے کیونکہ اس عمر کو پہنچنے تک سنجیدگی، متانت، ٹھہراؤ اور صلاحیتوں کے بلوغ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

⑧ ممکن ہے دینی حلقوں میں اسے ناپسندیدہ سمجھا جائے، لیکن اُصولاً علم اور تجربے کی شرط بھی رکھی جاسکتی ہے۔ جس نے کبھی دینی مدرسے میں اعلیٰ جماعتوں کو پڑھایا نہ ہو، جس کی کوئی

www.KitaboSunnat.com

دینی تصنیف نہ ہو اور جس کا تبحر علمی معروف نہ ہو، اسے دینی مدارس کے امتحانی ادارے کی قیادت آخر کیوں سونپی جائے.....؟

⑨ جیسا کہ دیگر اداروں میں نصب وعزل کے قواعد ہوتے ہیں، اسی طرح وفاقوں کے لئے بھی بنائے جاسکتے ہیں مثلاً تقرر کے وقت، انتخاب کے لئے رائے شماری تحریری اور خفیہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح اگر کوئی عہدیدار 'رکن' مدارس کا اعتماد کھودے تو آئین میں اس کے عزل کا طریق کار بھی واضح ہونا چاہئے۔

⑩ ہماری حکومتیں اکثر دینی مدارس کے ساتھ مخلص نہیں ہوتیں اور اُنہیں اپنے تعلیمی منصوبوں میں حقیقی طور پر قبول نہیں کرتیں اور نہ ہی ان کے فضلا کے مستقبل کے لئے اچھے مواقع پیدا کرنے پر تیار ہیں۔ ورنہ اُولی الامر ہونے کی حیثیت سے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے معاملات کو کنٹرول کرنے کے لئے نظم وقواعد بنائیں اور نافذ کریں۔ موجودہ حالات میں دینی مدارس کی قیادت کو خود ہی اِن معاملات کو سلجھانا پڑے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جذباتی ہوئے بغیر ٹھنڈے دل ودماغ سے اداروں کو چلایا جائے۔ اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کی عادت ڈالی جائے کہ یہ اجتماعی معاملات میں ناگزیر ہوتا ہے اور محض شک وشبہ کی بنا پر کسی کی علانیہ کردار کشی نہ کی جائے۔

اسلامی اخلاق کا یہ بھی تقاضا ہے کہ کسی شخص کو وفاق کے عہدے کا طلب گار نہیں ہونا چاہئے اور نہ اس کے لئے لابنگ اور جتھہ بندی کرنی چاہئے۔ اور اگر کوئی شخص احباب کا اعتماد کھودے تو اسے منصب سے چمٹے رہنے کی بجائے خود ہی فوراً منصب سے الگ ہوجانا چاہئے کہ نزاہت اور اخلاقی عظمت اسی میں ہے۔ ان باتوں کے لئے اگر ناگزیر ہو تو قواعد وضوابط بنائے جاسکتے ہیں جیسا کہ کچھ دینی جماعتوں اور اداروں نے بنائے ہوئے بھی ہیں خصوصاً رفع نزاع کا طریق کار اور فورم بھی ان قواعد میں مذکور ہونا چاہئے۔ تلك عشره كاملة

دینی مدارس بالخصوص وفاقوں کے اہل حل وعقد سے درخواست ہے کہ وہ ان گزارشات پر ہمدردانہ غور فرمائیں جو محض اخلاص اور دردمندی سے پیش کی گئی ہیں اور ان سے مقصود نہ کسی کی حمایت ہے اور نہ کسی کی مخالفت بلکہ وفاقوں کو بحیثیت ایک تعلیمی ادارہ مضبوط ومستحکم دیکھنے کی خواہش ہے۔ إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله العلي العظيم

www.KitaboSunnat.com

رپوتاژ

'ملّی مجلسِ شرعی' کا قیام

تحریکِ اصلاح تعلیم ٹرسٹ، لاہور ایک اسلامی اصلاحی انجمن ہے جو جدید تعلیم کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کو مزید مؤثر اور مفید بنانے کے لئے علماے کرام کے تعاون سے مختلف سطح پر کوششیں کرتی رہتی ہے۔ ۳/اگست ۲۰۰۷ء کو تحریک نے لاہور میں دینی مدارس کے مہتمم حضرات کا ایک اجلاس منعقد کیا جس کی صدارت ماہنامہ 'الشریعہ' کے رئیس التحریر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے کی۔ اس اجلاس میں مغربی فکر وتہذیب کی تفہیم کے حوالے سے ایک علمی فورم تشکیل دینے کا فیصلہ ہوا جو موجودہ ثقافتی کشمکش میں اسلامی تہذیبی کردار نمایاں کرنے کے علاوہ دینی مدارس کے نصاب میں اصلاحی ترامیم کے لئے جدوجہد کرے گا۔ انہی مساعی میں جدید اسلامی دانش گاہیں قائم کرنے کا نصب العین خصوصی طور پر شامل ہوگا۔ اس ضمن میں مدرسین کی ٹریننگ اور بعض نئی کتابیں لکھوانے اور دینی مدارس میں داخل نصاب کروانے کا معاملہ بھی زیر بحث آیا۔ اس نشست میں جملہ اسلامی مکاتبِ فکر کے علماء کرام اور جدید دینی سکالرز بھی موجود تھے۔

تبادلہ خیالات کے دوران اس ضرورت کا احساس بھی سامنے آیا کہ ایک قومی بلکہ ملّی سطح کی علمی وفکری مجلس ایسی ہونی چاہئے جس میں ہر مکتبِ فکر کے تین تین جید علماء کرام اور معتدل مزاج اسلامی سکالرز شامل ہوں اور جو ''سیاسی ومذہبی گروہ بندی سے بالا تر ہوکر مسلم معاشرے کو درپیش فقہی وفکری مسائل میں عوام کی رہنمائی'' کرے۔ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کو اس کا کنوینر مقرر کیا گیا۔ نیز یہ بھی طے پایا کہ اس علمی مجلس کی توثیق اور نظام کو تشکیل دینے کے لئے پہلا اجلاس جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو لاہور میں بلایا جائے۔ جس میں مندرجہ بالا بارہ نمائندگان شریک ہوں جن کے نام حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ مولانا زاہد الراشدی، ڈائریکٹر 'الشریعہ اکیڈمی' گوجرانوالہ

۲۔ مولانا حافظ فضل الرحیم، نائب مہتمم 'جامعہ اشرفیہ' لاہور

www.KitaboSunnat.com

۳۔ مولانا عبدالرؤف فاروقی، مہتمم 'جامعہ اسلامیہ' کامونکی
۴۔ مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی، مہتمم 'جامعہ نعیمیہ' لاہور
۵۔ مولانا مفتی محمد خاں قادری، مہتمم 'جامعہ اسلامیہ' لاہور
۶۔ مولانا محمد صدیق ہزاروی، شیخ الحدیث 'جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور
۷۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی، مہتمم 'جامعہ لاہور الاسلامیہ' لاہور
۸۔ مولانا ارشاد الحق اثری، رئیس ادارہ 'علم اثریہ' فیصل آباد
۹۔ حافظ صلاح الدین یوسف، مدیر شعبہ ترجمہ وتصنیف، 'دارالسلام' لاہور
۱۰۔ مولانا عبدالمالک، شیخ الحدیث 'مرکز علومِ اسلامیہ' منصورہ، لاہور
۱۱۔ ڈاکٹر محمد امین، 'تحریکِ اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ'، لاہور
۱۲۔ محمد رفیق چوہدری، مکتبہ 'قرآنیات'، لاہور

۹/اگست ۲۰۰۷ء کو حسبِ پروگرام جامعہ نعیمیہ لاہور میں علماء کرام کا اجلاس ہوا۔ جس میں 'ملّی مجلس شرعی' کے نام کی توثیق کی گئی۔ مفتی محمد خاں قادری صاحب اور مولانا عبدالمالک صاحب بیرونِ شہر ہونے کی وجہ سے؛ جبکہ مولانا فضل الرحیم صاحب کی ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے ان کی نمائندگی جامعہ اشرفیہ کے مولانا فہیم الحسن تھانوی نے کی۔ علماے کرام نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ دینی مدارس کے امتحانات اور رمضان المبارک کی وجہ سے مجلس کا دوسرا ورکنگ اجلاس عیدالفطر کے بعد ہوگا جس میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر 'علماء کنونشن' کے علاوہ میڈیا (پرنٹ اور الیکٹرانک) سے متعلق مسائل پر بھی غور وخوض کیا جائے گا۔

اس بارہ رکنی تاسیسی مجلس کے قیام سے اہم مقصود یہ ہے کہ مسلم معاشرے کو جن جدید مسائل کا سامنا ہے، ان کے حوالے سے جملہ مکاتبِ فکر کے علماء کا ایک متفقہ موقف سامنے لایا جائے تاکہ علماء کرام کے بارے میں فرقہ وارانہ اختلافات کا تاثر دور ہوسکے، مغربی فکر وتہذیب کے خلاف بند باندھا جاسکے، اُمت کو روشن خیال اور مغرب سے مرعوب متجددین کی منحرف فکر سے بچایا جاسکے اور عامۃ الناس خصوصاً جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا اس امر پر اعتماد بحال کیا جائے کہ اسلام آج بھی ان کے سارے مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور علماء کرام آج بھی اُمت کی رہنمائی کررہے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ مجلس مستقبل میں اسلامی مباحث کے حوالے سے وقیع کردار ادا کرے گی، ان شاء اللہ ڈاکٹر محمد امین (رابطہ سیکرٹری 'ملّی مجلس شرعی')

www.KitaboSunnat.com

محدث کی ڈاک

الشریعہ کے رئیس التحریر کے نام ایک مراسلہ

محترم حضرت والا مقام زاہد الراشدی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کے دم قدم سے ایک صاف ستھرے دینی رسالے کو فراز بخشا، مگر گذشتہ دو برسوں سے یہ چیز شدت سے مشاہدے میں آ رہی ہے کہ یہ پرچہ کسل مندی کا شکار ہو رہا ہے اور منفی قوتوں کا اس پر اثر بڑھتا جا رہا ہے۔

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ پرچہ محض آپ کے نام کی خوبصورتی کا آئینہ دار نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے اسلافِ کبار کی اعلیٰ روایات کا امین بھی ہے، خصوصاً مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ علیہ کے چشمۂ فیض کی فیض رسانیوں کا اِسے مظہر سمجھا جاتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اس کے اصل مالک اور حقدار اسی طرح بے دخل ہوتے جا رہے ہیں جس طرح کوئی کرایہ دار مکان پر قبضہ کر لے۔

معلوم نہیں کیوں آپ کی سوئی مسٹر جاوید احمد غامدی کے خبطِ عظمت کی وکالت میں آ کر پھنس گئی ہے؟ محترما، وہ فرد جو علما پر پھبتی کسنے کا رسیا، موقف بدلنے میں گرگٹ سے زیادہ تیز تر اور دینی روایات پر حملہ کرنے میں بے دھڑک بلکہ حیا دریدہ انسان ہو، اس کے لئے آپ کی یہ کرم نوازیاں معلوم نہیں کس مجبوری کا خراج ہیں؟ ان صاحب کی وکالت کے لئے متجددین کا طائفہ اور ٹیلی ویژن کے نگارخانے کے تمام پروڈیوسر موجود ہیں۔ پھر عہدِ حاضر کے 'اکبر اعظم' پرویز مشرف کا ڈنڈا اور گاجر بھی ان کی دَم ساز ہے، تو ایسی ایسی 'نعمتوں' کی موجودگی میں آپ اپنے اَوراق کو کیوں 'نورا دنگل' کے لئے استعمال کر رہے ہیں؟

آپ گوجرانوالہ کے رہنے والے ہیں۔ ممکن ہے، اصطلاح 'نورا دنگل' سے بدمزا ہوئے ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے غامدی صاحب کے خلاف اعتراض شائع کیا جائے، پھر ان

www.KitaboSunnat.com

کی وکالت اور جواب الجواب کا تماشا رچایا جائے۔ اس طرح ایک جانب اپنے ممدوح کی خدمت اور دوسری جانب اپنی 'معروضیت' کا رعب جمایا جاسکے۔

اگر آپ اپنے ولی عہد کے ہاتھوں مجبور ہیں تو اُنہیں حق دیں کہ وہ اپنا الگ پرچہ نکالیں، ہم کون ہوتے ہیں ان کے قلم کو توڑنے والے، لیکن خون کے رشتہ کے بل پر کسی دینی پرچے میں 'فکری پیشوائیت' کی گنجائش نہیں۔ قبل ازیں ان کے رسالے 'اشراق'، 'تذکیر'، 'سوئے حرم' وغیرہ نکل رہے ہیں، چلئے ایک ماہنامہ 'عمار' بھی سہی، مگر 'الشریعہ' میں بے جا فکری تجاوزات کا حتیٰ کہ آپ کو بھی حق نہیں۔ ٹھیک ہے، اگر آپ چاہتے ہیں تو پھر حضرت سرفراز خان صفدر، حضرت سواتی کے نام باقاعدہ اعلان کر کے اپنے پرچے کے پیشانی سے اُتار دیجئے، اور اعلان فرمایئے: ''میں اور میرا بیٹا، اس صدی کے سینٹ پال کی اطاعت میں جاتے ہیں۔'' یہ آپ کا حق ہے! حالانکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا صاحب آپ ایسے نہیں ہیں، آپ اولاد کی محبت میں لاچار اور مجبور ہیں۔ مگر کیا بقرعید کی قربانی محض گوشت کرنے، بنانے اور کھانے کی رسم ہے یا اس کے کوئی عملی تقاضے بھی ہیں.....!!

اسی طرح آپ کے رسالے میں ایک مخبوط القلم فرد محمد یوسف ایڈووکیٹ کے نام سے ثقاہت کا قتل عام کرتے اور کثافتِ فکری کے ڈھیر لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحب کو غصہ علماے کرام پر ہے، یا جماعتِ اسلامی ان کی نفرت کا نشانہ ہے یا ایم ایم اے ان کی بغض کا شکار ہے۔ جو بھی ہو، یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ان صاحب کا اُسلوبِ تحریر کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا فرد کی چیخ و پکار سے زیادہ کوئی قدر نہیں رکھتا۔ تازہ شمارے میں اُنہوں نے جس طرح مفتی تقی عثمانی صاحب کو نشانہ بنایا ہے، کاش آپ اس مضمون کی اشاعت سے قبل حضرت مفتی صاحب سے وضاحت لے لیتے۔ میں سمجھتا ہوں، فکر اور علم کی ایسی کٹی ہوئی پتنگ کو آپ اُڑا کر 'الشریعہ' کے قارئین پر مزید ظلم فرما رہے ہیں۔

آپ کو اس خط پر جو بھی غصہ آیا ہو، اس پر میں معذرت خواہ نہیں ہوں، بلکہ یہ آپ کی خیر خواہی میں لکھا گیا ہے۔ 'المورد' کے مفتی اعظم جناب عمار خان ناصر کی خدمت میں سلام و دعا

حافظ بدرالدین

۳۲۲/اے ون، ٹاؤن شپ، لاہور ۱۴ جولائی، ۲۰۰۷ء

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol.39 NO.9

Monthly **MUHADDIS** Lahore

5866476
5866396

☞ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

☞ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☞ غیرمذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☞ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☞ آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☞ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700